

Mar-Apr
2024

پیام عرفات

رائے بریلی

ماہنامہ

ایک تجربہ کی بات

”ایک بات تجربہ کی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر رمضان جمعیتِ خاطر کے ساتھ گزر گیا تو سارا سال جمعیتِ خاطر کے ساتھ گزرتا ہے۔ جمعہ میزان ہے ہفتہ کا اور رمضان میزان ہے سال کا اور حج میزان ہے پوری عمر کا، جس کا جمعہ اچھا گزرا اس کا پورا ہفتہ اچھا گزرے گا، جس کا رمضان اچھا گزرا اس کا پورا سال اچھا گزرے گا اور جس کا حج اور اس کے ارکان اچھی طرح گزرے اس کی عمر اچھی طرح گزرے گی۔ اگر ہم نے ان اوقات کے اندر صحیح محنت کر لی تو ہم دوسروں کو بھی متاثر کر سکیں گے اور آنے والے حالات میں جو ہندوستان میں اور ہمارے علاقے میں شدت سے پیش آنے والے ہیں اس میں بھی ہم جم سکیں گے۔“

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ



مرکز الإمام أبي الحسن الندوي
دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی



روزہ کی غرض و غایت

علامہ سید سلیمان ندویؒ

”روزہ کی بھوک اور فاقہ ہمارے گرم و مشتعل قوی کو تھوڑی دیر کے لیے سرد کر دیتا ہے، کھانے اور پینے کی مصروفیت سے ہم آزاد ہوتے ہیں، دوسرے سخت کاموں سے بھی ہم اس وقت پرہیز کرتے ہیں، دل و دماغ، شکم سیر معدہ کے فاسد بخارات کی پریشانی سے محفوظ ہوتے ہیں، ہمارے اندرونی جذبات میں ایک قسم کا سکون ہوتا ہے۔ یہ فرصت کی گھڑیاں، یہ قوی کے اعتدال کی کیفیت، یہ دل و دماغ کی جمعیت خاطر، یہ جذبات کا سکون، ہمارے غور و فکر، اپنے اعمال کے محاسبہ، اپنے کاموں کے انجام پر نظر اور اپنے کیے پر ندامت اور پشیمانی اور خدائے تعالیٰ کی باز پرس سے ڈر کے لیے بالکل موزوں ہے اور گناہوں سے توبہ اور ندامت کے احساس کے لیے یہ فطری اور طبعی ماحول پیدا کر دیتا ہے اور نیکی اور نیک کاموں کے لیے ہمارے وجدانی ذوق و شوق کو ابھارتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ رمضان کا زمانہ تمام تر عبادتوں اور نیکیوں کے لیے مخصوص کیا گیا ہے۔ اس میں تراویح ہے، اس میں اعتکاف رکھا گیا ہے، اس میں زکوٰۃ نکالنا مستحب ہے اور خیرات کرنا سب سے بہتر ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی فیاضی تو گوسدا بہارتھی لیکن رمضان کے موسم میں وہ تیز ہواؤں سے بھی زیادہ ہو جاتی تھی۔

ان ہی باتوں کو سامنے رکھ کر یہ آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے کہ روزہ صرف ظاہری بھوک اور پیاس کا نام نہیں ہے، بلکہ درحقیقت دل اور روح کی بھوک اور پیاس کا نام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روزہ کی متوقع غرض و غایت تقویٰ قرار دی ہے، اگر روزہ سے روزہ کی یہ غرض و غایت حاصل نہ ہو تو کہنا چاہیے کہ گویا روزہ ہی نہیں رکھا گیا، یا یوں کہنا چاہیے کہ جسم کا روزہ ہو گیا لیکن روح کا روزہ نہ ہوا، اسی کی تشریح محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے ان الفاظ میں فرمائی ہے کہ ”روزہ رکھ کر بھی جو شخص جھوٹ اور فریب کے کام کو نہ چھوڑے تو خدا کو اس کی ضرورت نہیں ہے کہ انسان اپنا کھانا پینا چھوڑے دے۔“ ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”روزہ برائیوں سے روکنے کی ڈھال ہے تو جو روزہ رکھے اس کو چاہیے کہ لغو اور فحش باتیں نہ بکے اور نہ جہالت (غصہ) کرے، یہاں تک کہ اگر کوئی اس سے لڑنے پر آمادہ ہو اور گالی بھی دے تو یہی کہے کہ میں روزہ سے ہوں۔“ بعض حدیثوں میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”روزہ اس وقت تک ڈھال ہے جب تک اس میں سوراخ نہ کرو۔“ صحابہ نے دریافت کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! اس میں سوراخ کس چیز سے ہو جاتا ہے؟“ فرمایا: ”جھوٹ اور غیبت سے۔“ چنانچہ بعض علماء کی رائے میں جس طرح کھانے اور پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اسی طرح گناہ سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔“

(سیرۃ النبی: ۵/۲۲۰-۲۲۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اردو اور ہندی میں شائع ہونے والا

پیامِ عرفات

ماہنامہ رائے بریلی
مرکز الامام ابی الحسن الندوی دارِ عرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)

جلد: ۱۶ ❁ شعبان / رمضان ۱۴۴۵ھ - مارچ / اپریل ۲۰۲۴ء ❁ شمارہ: ۳-۴

روزہ کی مثال



قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

”الصَّيَامُ جُنَّةٌ مِنَ النَّارِ كَجُنَّةِ أَحَدِكُمْ مِنَ الْقِتَالِ.“

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(روزہ جہنم سے بچانے والی ایک ڈھال ہے۔

جس طرح لڑائی میں تم میں سے کسی کی ڈھال ہوتی ہے۔)

(سنن ابن ماجہ: ۱۷۰۸)

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی

مفتی راشد حسین ندوی

عبدالسبحان ناخدا ندوی

محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد نفیس خاں ندوی

محمد ارغمان بدایونی ندوی

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھانک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر ”پیامِ عرفات“ مرکز الامام ابی الحسن الندوی، دارِ عرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔
www.abulhasanalinadwi.org

سالانہ زر تعاون: -/150 Rs.

E-Mail: markazulimam@gmail.com

فی شمارہ: -/15 Rs.

Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi Samiti (Punjab National Bank) A/c No. 6127002100000339 (IFSC: PUNB0612700)



ماہِ صیام

حضرت مولانا قاری صدیق احمد باندویؒ

مبارک ہو مسلمانو! کہ پھر ماہِ صیام آیا
خدا کی رحمتوں اور برکتوں کا اژدحام آیا
خدا کا شکر ہے فصل بہار جاں فزا آئی
خوشا قسمت کہ پھر سے موسمِ صوم و قیام آیا
زمانہ آیا کہ لطف باری عام اب ہوگا
نصیب اپنے کہ پھر سے زندگی میں یہ مقام آیا
قیامت میں یہ روزہ ڈھال ہوگا روزہ داروں کی
یہ سرمایہ بھی اپنا کیسے آڑے وقت کام آیا
ہدایت کے صحیفے سب کے سب اس ماہ میں اترے
اسی ماہِ مبارک میں وہ کلموں کا امام آیا
اسی میں رات اک آئی ہزاروں رات سے بہتر
کہ جس میں چشمہِ رحمت سے بندوں کو سلام آیا
گزاری جس نے اپنی زندگی ساری اطاعت میں
اسی کے واسطے جنت سے دنیا ہی میں جام آیا
دوبارہ زندگی آئی، سکون دل ہوا حاصل
زباں پر جب محمد مصطفیٰ کا پیارا نام آیا
جو پہنچا حشر میں ثاقب فرشتے سب پکارا ٹھے
محمد کے غلاموں کے غلاموں کا غلام آیا



- موجودہ حالات اور ماہِ رمضان کا تقاضا (اداریہ)..... ۳
بلال عبدالحی حسنی ندوی.....
رمضان کا استقبال - قرن اول میں..... ۵
حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ.....
ماہِ رمضان - مثالی اجتماعیت کا علم بردار..... ۷
حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی.....
تقویٰ کیا ہے؟..... ۹
بلال عبدالحی حسنی ندوی.....
طلاق کے چند مسائل..... ۱۰
مفتی راشد حسین ندوی.....
رمضان المبارک اور اس کے تقاضے..... ۱۳
عبدالسبحان ناخدا مدنی ندوی.....
قرآن مجید - انسانیت کی بقا کا ضامن..... ۱۵
عبدالسمیع ندوی بھنگلی.....
روزے کے ظاہری و باطنی فوائد..... ۱۷
محمد نجم الدین ندوی.....
آئی انیکوں کا موسم بہار..... ۱۹
مولانا محمد طارق بدایونی.....
رمضان اور احتسابِ نفس..... ۲۱
محمد ارمان بدایونی ندوی.....
روزہ کے مختلف مسائل..... ۲۳
اعتکاف - چند ضروری مسائل..... ۲۷
زکوٰۃ - چند ضروری احکام و مسائل..... ۲۹



بلال عبداللہ حسنی ندوی

موجودہ حالات اور ماہِ رمضان کا تقاضا



کسی مرد دانانے کہا تھا کہ امت بے حس بھی ہے اور بے بس بھی ہے، آج کے حالات میں یہ بات پوری طرح صادق آتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حکومتیں بے حس ہیں اور عوام کی اکثریت بے حس بھی ہے اور بے بس بھی، امت جن حالات سے دوچار ہے، غزہ میں ظلم و ستم کے جو پہاڑ توڑے جا رہے ہیں، عورتوں، بچوں کو، مریضوں کو جس طرح تہ تیغ کیا جا رہا ہے، وہ ظلم و ستم کی آخری مثال ہے۔ عرب حکومتیں اور مسلمان ممالک جس بے حسی کا مظاہرہ کر رہے ہیں، لگتا ہے کہ سب کو سانپ سونگھ گیا ہے، جس کے دل میں ذرا بھی انسانیت ہے وہ بے چین ہے، یورپ و امریکہ میں مظاہرے ہو رہے ہیں، یہاں تک کہ اسرائیل میں بھی اس ظلم کے خلاف آواز اٹھانی جا رہی ہے، لیکن سب سے زیادہ جس کو بے چین ہونا چاہیے وہ آرام کی بیٹھی نیند سو رہا ہے۔

حجاز مقدس جس سے مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکنیں وابستہ ہیں، جہاں سے ساری دنیا میں اسلام کا پیغام پہنچا، بجائے اس کے کہ وہاں سے دین کی پاسبانی کا کام ہوتا، وہاں اسلامی احکام و نظام کو پامال کیا جا رہا ہے۔

یہ حالات ایسے ہیں جن سے ہر مسلمان کا دل بے چین ہونا چاہیے، لیکن اگر اسلامی معاشرہ پر نگاہ ڈالی جائے تو یہاں بھی ایک بے حسی کی کیفیت نظر آتی ہے، لوگ اپنے اپنے کاموں میں لگے ہیں، دنیا کی محبت نے ہر چیز پر پردہ ڈال رکھا ہے، کس کو فرصت ہے سوچنے کی اور اپنا جائزہ لینے کی۔

یہ حالات ہمیں دعوتِ فکر دیتے ہیں، اللہ کا نظام یہ ہے کہ ہمارے اعمال آسمانوں پر جاتے ہیں اور وہاں سے اس کے مطابق فیصلے اترتے ہیں، یہ وقت تھا اپنا اپنا جائزہ لینے کا، اپنے اندر تبدیلی پیدا کرنے کا، رمضان کا مہینہ خاص اس کا زمانہ ہے، اس میں ہم اپنی اصلاح کی کوشش کریں، تقویٰ کا مزاج بنائیں، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (البقرة: ۱۸۳)

(اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے، عجب نہیں کہ تم متقی بن جاؤ)

سخت حالات میں ہم میں سے ہر فرد اگر طے کر لے کہ ہمیں اپنے رخ کو درست کرنا ہے، تو حالات کروٹ لے سکتے ہیں اور

آزمائشیں تو اللہ کی طرف سے آتی ہیں تاکہ اللہ کی بارگاہ میں رجوع کرنے کی توفیق ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:



﴿وَلَنْذِيْقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَذْنَىٰ ذُوْنَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ (السجدة: ۲۱)

(اور ہم ضرور ان کو بڑے عذاب سے پہلے قریبی عذاب کا مزہ چکھائیں گے شاید وہ پلٹیں)

رمضان کا چاند نکلا تو اس حال میں کہ خونِ مسلم کی ارزانی ہے اور ارباب اختیار و اقتدار بے حسی کی نیند سوراہے ہیں۔ ہم کیا کر سکتے ہیں؟ ہمیں غور کرنا چاہیے، جو ہمارے اختیار میں ہے کیا ہم نے اس کے لیے قدم بڑھایا؟ ہمیں صحیح زندگی اختیار کرنے سے کس نے روکا؟ کیا ہم اپنی دعاؤں سے بھی ان مظلوموں کی مدد نہیں کر سکتے؟ رمضان کے مبارک اوقات میں اللہ کے ان بندوں کے لیے دعائیں کرنا اور آنسو بہانا بھی کیا ہمارے بس میں نہیں؟ لیکن غور کرنے کی بات ہے کہ ہم نے اپنے آپ کو دعاؤں کے قابل بھی نہیں رکھا۔ کھانا حرام، پینا حرام، لباس حرام، حدیث میں آتا ہے کہ پھر کہاں دعائیں قبول ہوں گی۔

رمضان سے بڑھ کر کون سا موقع ہوگا، اللہ کی بارگاہ میں توبہ کی جائے، حلال و حرام کے فرق کو سمجھا جائے اور ہر طرح کے مشتبہ اور حرام مال سے بچنے کی پوری کوشش کی جائے، ہماری اچھی زندگی اور سچی بندگی اللہ کی نصرت و رحمت کو کھینچے گی اور پھر اس کے ساتھ ظاہری طور پر بھی جو ہم کر سکیں کریں، مظلوموں کا ساتھ دیں، ظالموں کا کم از کم بائیکاٹ کریں، کام و دہن کی لذت کے لیے ہمیں یہ بھی ہوش نہ رہے کہ ہمارا پیسہ کہاں جا رہا ہے اور اپنے بھائیوں کے لیے ہم تھوڑی تکلیف بھی برداشت نہ کر سکیں تو اللہ ہی حافظ ہے۔

قرآن ہمیں کھول کھول کر بتاتا ہے، ہر درد کی دوا اور ہر مسئلہ کا حل اس میں موجود ہے، ہم چہار جانب نگاہیں دوڑاتے ہیں، لیکن اس کتاب ہدایت سے سبق نہیں لیتے جس کے بارے میں کہا گیا کہ

﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ﴾ (فصلت: ۴۲)

(اس پر جھوٹ کا گز نہیں سامنے سے نہ پیچھے سے، اس ذات کی طرف سے اتاری گئی ہے جو حکمت رکھنے والی قابل ستائش ہے) اسوۂ نبی، ہمیں پکار پکار کر راہ حق کی دعوت دیتا ہے اور ہماری دشواریوں میں ہمارے لیے راستے کھولتا ہے، کاش کہ ہم ان حقائق کو قبول کریں اور قرآن و سنت کی روشنی میں اپنے اختیار کو استعمال کریں، ہمارے یہ فیصلے اللہ کے فیصلے کو بدلنے کے لیے کافی ہیں۔

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ﴾ (الرعد: ۱۱)

(کسی بھی قوم کے ساتھ جو بھی ہے اللہ اس کو اس وقت تک ہرگز نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اندر تبدیلی پیدا نہ کر لیں) مسلمان جب تک خیر پر قائم رہے، اللہ کی نصرت و رحمت کے مستحق رہے اور جب انہوں نے راستہ بدلا، اللہ کی رحمت پھر گئی، اگر دوبارہ وہ راہ خیر پر آئیں گے تو پھر رحمت الہی کو سامنے پائیں گے۔ ضرورت ہے قدم بڑھانے کی اور رمضان سے بہتر اور اس سے بڑھ کر اس کے لیے کوئی زمانہ نہیں ہو سکتا۔



بڑھ کر ہے، اللہ نے اس مہینہ کے روزے فرض کیے ہیں اور رات کے قیام (تراویح) کو نفلی عبادت ٹھہرایا ہے۔ جو شخص اس ماہ میں ایک نفلی نیکی کرے گا، اس کا ثواب اور دنوں کے فرض کے برابر ہوگا اور جو کوئی ایک فرض ادا کرے گا، اس کا ثواب اور دنوں کے ستر فرضوں کے برابر ہوگا، یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے، یہ غم خواری اور غم گساری کا مہینہ ہے، اس میں مؤمن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے۔“

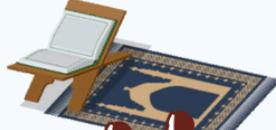
تمام لوگ میرا چاند دیکھنے کے لیے بلند ٹیلوں اور مکانوں پر چڑھ گئے، غروب آفتاب کے بعد مدینہ میں کوئی شخص ایسا نظر نہ آتا تھا جو آسمان کی طرف نظر اٹھائے میری جستجو نہ کر رہا ہو، ہر شخص کی یہ خواہش تھی کہ سب سے پہلے وہ میری آمد کا مژدہ سنائے۔

پروردگارِ عالم نے ارادہ فرمایا کہ مجھے اب مزید تاخیر نہ ہو، لہذا اس کی طرف سے حکم طلوع ہوا اور مدینہ کے اس سرے سے اس سرے تک ایک مسرت کی لہر دوڑ گئی، لوگوں کی زبانوں پر ایک نغمہ مسرت جاری ہوا:

”هَلَالَ رُشْدٍ وَخَيْرٍ، اللَّهُمَّ أَهْلَهُ عَلَيْنَا بِالْأَمْنِ وَالْإِيمَانِ
وَالسَّلَامَةِ وَالْإِسْلَامِ وَالتَّوْفِيقِ لِمَاتِحِبٍّ وَتَرْضَى!“

سامعین کرام! مجھے اس کہنے میں معاف رکھیں کہ ابتدائے اسلام میں لوگوں کو میری آمد سے جو مسرت ہوتی تھی، حالانکہ میں جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، صبر و جہاد کا مہینہ تھا، وہ اس مسرت سے بڑھ کر ہوتی تھی جو آج عید کا چاند دیکھ کر ہوتی ہے۔ میں اس کے اسباب میں نہیں جاؤں گا، کیوں کہ یہ ایک طویل بات ہے اور ویسے بھی آپ کو کڑوی لگے گی۔

(میری آمد سے) مدینہ کے لوگوں میں ایک نئی زندگی اور ایک نیا نشاط عبادت ابھر آیا، یہ لوگ عشا کے بعد ایک ایک، دودو اور ٹکڑیاں ٹکڑیاں ہو کر نوافل میں مشغول ہو گئے۔ قرآن کی تلاوت کرتے اور نمازیں پڑھتے رہے، یہاں تک کہ جب رات آخر ہوئی اور سحر قریب ہوئی تو رات کی باسی روٹی یا کھجور اور پانی میں سے جس کو جو میسر آیا، اس نے اس سے سحری کھائی، پھر مساجد کی راہ لی اور نماز فجر ادا کی۔



رمضان کا استقبال - قرن اول میں

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

میرے دوستو! تمہیں نیا رمضان مبارک! اور خدا کی طرف سے تم پر پاک و بابرکت سلام! تمہاری یہ فرمائش گویا میرے دل کی خواہش ہے۔ پتہ نہیں کیوں خود میرا جی کچھ بات کرنے کو چاہ رہا تھا اور ایک تقاضا تھا جو مجھے بات کرنے پر مجبور کر رہا تھا اور میں محسوس کرتا ہوں کہ تمہارے تجویز کردہ عنوان سے بہتر اور محبوب عنوان گفتگو میرے لیے اور کوئی ہو نہیں سکتا۔

سنہ ہجری کے دوسرے سال میں میرا آنا پہلے سالوں سے یکسر مختلف تھا، پہلے میں سال کے دوسرے مہینوں کی طرح ایک مہینہ تھا، اپنے دوسرے بھائیوں اور رفیقوں سے کسی قسم کا امتیاز مجھے حاصل نہیں تھا، نہ کوئی خاص بات میرے اندر تھی، نہ کسی پیغام کا میں حامل تھا اور نہ دین کے ارکان سے کوئی رکن مجھ سے متعلق تھا۔ رجب، ذی القعدہ، ذی الحجہ اور محرم پر مجھے حسد - اَسْتَغْفِرُ اللہ - رشک ہوتا تھا، کیوں کہ یہ اَشْهُرُ حُرْمٍ (محترم مہینے) تھے اور ان میں سے ذی الحجہ پر مجھے ایک اور خاص وجہ سے رشک آتا تھا، وہ یہ کہ وہ حج کا مہینہ تھا۔ مجھے وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ مجھے کبھی اتنا بڑا اعزاز بخشا جائے گا اور روزہ جیسا اہم اور مقدس پیغام کا مجھے حامل بنایا جائے گا لیکن یہ روزہ اللہ کا فضل ہے اور وہ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ بہر حال اب سنیے!

مسلمانوں نے شعبان سے میرا انتظار کرنا شروع کیا، انہوں نے شعبان کا بھی ایک مقدمہ لکھیش اور میرے مبشر کی طرح استقبال کیا، شعبان ہی میں ایک دن رسول اللہ ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”اے لوگو! رمضان کا مہینہ تم پر سایہ گلن ہو رہا ہے، بڑا عظیم الشان مہینہ ہے، اس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے



روزہ دار کو افطار کرانے، غلاموں کو آزاد کرانے، ستم رسیدوں کی امداد کرنے اور بھوکوں کو کھانا کھلانے میں ایک دوسرے پر سبقت کرتے تھے، چنانچہ اسی وجہ سے فقراء و مساکین میری آمد کے منتظر رہتے تھے۔ لوگوں نے اپنے مشاغل میں روزہ گزارا، لیکن اللہ سے غافل نہیں ہوئے اور نہ بیع و تجارت نے ان کو اللہ کی یاد اور جماعتوں کی حاضری سے غافل کیا، شام کو گھر لوٹے اور ذکر و تلاوت میں مشغول ہو گئے۔ مساجد کا حال اس وقت یہ ہو جاتا تھا کہ اگر تم جاؤ تو ذکر کی بھینٹا ہٹ کے سوا کوئی آواز نہ سن پاؤ۔

آفتاب غروب ہوا، مؤذن نے اذان دی اور میں نے دیکھا کہ سیدالاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوہارے اور کچھ پانی سے افطار فرمایا اور پھر اس پر اتنا شکر کہ انواع و اقسام کی افطاریوں پر بھی لوگوں کو یہ مقام شکر نصیب نہیں ہو سکتا، سنیے! حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں: ”ذَهَبَ الظَّمْأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوقُ وَبَثَّتِ الْأَجْرُإُنَّ شَاءَ اللَّهُ“
”تشنگی دور ہوئی، رگیں تر ہوئیں اور اللہ نے چاہا تو اجر واجب ہو گیا“
آپ کے اصحاب نے بھی اسی طرح چند کھجوروں اور پانی کے چند گھونٹوں سے روزہ کھولا اور اللہ کی حمد کی پھر نماز پڑھی اور جو کچھ اللہ نے عنایت فرمایا، صرف بقدر ضرورت کھالیا، نہ اس میں اسراف ہوتا تھا اور نہ ناک تک پیٹ بھرتا تھا۔

مہینہ بھران کا یہی معمول رہتا تھا، نہ اس میں کوئی فرق آتا تھا اور نہ وہ اس سے اکتاتے اور برداشتہ خاطر ہوتے بلکہ ہر دن نشاط کی ایک نئی کیفیت پیدا ہوتی اور عبادت و نیکی کی حرص بڑھتی تھی، گویا روزوں سے ان کی روح کو غذا ملتی تھی اور مہینے کے آخر میں ان کی قوت اور ان کا نشاط پہلے سے بھی بڑھا ہوا نظر آتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک مسلسل نشاط اور ذوق عمل سے محذور رہتے تھے۔ یہاں تک کہ جب آخری عشرہ آتا تو بالکل ہی کمر کس لیتے تھے، رات عبادت میں گزارتے اور اہل خانہ کو بھی جگاتے اور پھر اعتکاف فرما لیتے تھے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں وہ لوگ آج کل کے روزہ داروں سے ممتاز ہو جاتے ہیں۔ آج اگر آپ میں سے کوئی رات کو تھوڑی دیر عبادت کر لیتا ہے اور پھر روزہ کی نیت کر لیتا ہے تو وہ اپنا حق سمجھتا ہے کہ دن میں جتنا چاہے سوئے، چنانچہ آج شہر میں بہت کم ایسے روزے دار ملیں گے جو (روزہ رکھ کر) صبح ہی صبح اپنی دوکان یا ڈیوٹی پر جاتے ہوں اور کم ایسے روزے دار ملیں گے جو سوئے یا اونگھتے نظر نہ آتے ہوں، رات کو خواہ کتنا ہی تھوڑا قیام کریں، مگر اس کے بدلے میں دن کا ایک خاصا حصہ ضرور نیند کی نذر کر دیا جاتا ہے۔

اس کے برعکس صحابہ و تابعین (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کا حال یہ تھا کہ رات کا قیام ان کے دن کے نشاط میں کوئی فرق نہیں ڈالتا تھا، وہ رمضان میں عبادت بھی کرتے تھے اور مشقت حیات بھی برداشت کرتے تھے اور کبھی تو روزے کی حالت میں جہاد بھی کرتے تھے، ان کے زمانہ میں رمضان اشیاء کی طبائع نہیں بدلتا تھا اور نہ دن کو رات بناتا تھا۔ وہ لٹے ان میں قوت اور نشاط کا بڑھا دیتا تھا اور کوئی وہ نیکی جس کو لوگ پہلے سے کرتے تھے، رمضان کی آمد سے منقطع نہیں ہوتی تھی، میں آکر اہل مدینہ کے اخلاق میں کوئی فرق نہیں پاتا تھا مثلاً: انہوں نے مسلمان ہونے کے بعد سے غیبت، فحش کلامی اور بدگوئی سے زندگی بھر کا روزہ رکھ لیا تھا تو وہ روزوں میں بھی پاک زبان، پاک نفس اور پاک باطن رہتے تھے۔ ہاں! اگر فرق ہوتا تھا تو یہ ہوتا تھا کہ وہ ان دنوں میں جائز غصے کو بھی ضبط کرتے تھے، اگر ان میں سے کسی کو کوئی شخص گالی دیتا یا لڑنے کی باتیں کرتا تو اس کا جواب یہ ہوتا کہ ”میں روزہ دار ہوں۔“

میری آمد پر وہ لوگ نیکی اور غم خواری کے بجد حریص ہو گئے، یوں سمجھئے کہ ہوا سے مقابلہ کرتے تھے، ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ تھا، ”كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ“ (جب رمضان آتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امور خیر میں آندھی سے بھی زیادہ تیز رفتار ہو جاتے تھے۔)



ماہِ رمضان - مثالی اجتماعیت کا علم بردار

حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی

مرنے پر اتر آئے تو تم کو بتادینا چاہیے کہ بھئی میں روزے سے ہوں (غور کیجیے کہ شور تک کرنے سے روکا گیا، اس لیے کہ شور و ہنگامہ آرائی بھی روحِ صوم کے خلاف ہے۔ اسی طرح لڑنے جھگڑنے، فحش بات اور گالی بکنے پر بھی پابندی لگادی گئی کہ اس سے آپس کے تعلقات پر اثر پڑتا ہے، شور کرنے سے دوسرے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے، گالی بکنے اور گناہ کا ارتکاب کرنے سے آپس میں نفاق پیدا ہوتا ہے، دل کی صفائی اور اس کا خلوص متاثر ہوتا ہے اور بالآخر آپس میں اختلاف شروع ہو جاتا ہے، جو بلاشبہ اجتماعی روح کے سراسر منافی ہے۔

رمضان المبارک کا مہینہ ایک بہترین اور مثالی اسلامی معاشرہ قائم کرتا ہے۔ وہ اللہ اور بندے کے حقوق و تعلقات پر اکتفا نہیں کرتا، بلکہ بندے کا بندے پر جو حق ہے ان سب پر پوری توجہ دیتا ہے اور بار بار اس کی تاکید کرتا ہے، ایک دوسری حدیث میں مذکور ہے کہ روزہ ڈھال ہے، یعنی ہر طرح کے گناہ اور فسق و فجور سے وہ انسان کو روکتا ہے اور اس کے سامنے آہنی دیوار بن کر کھڑا ہو جاتا ہے، لیکن اس کے بعد یہ بھی بتادیا گیا ہے کہ اس ڈھال کو صرف ایک چیز پھاڑ کر بیکار کر دیتی ہے اور اس کے بعد پھر ہر قسم کا سیلاب اس پر سے گذر سکتا ہے اور وہ ہے غیبت، یعنی کسی غائب شخص کے بارے میں کوئی ایسی بات کہنا جس کو سن کر وہ پسند نہ کرے۔

اب غور کیجیے کہ روزے کی ساری نیکیوں اور اس کی تمام برکتوں اور رحمتوں کو صرف ایک معمولی چیز ختم کر دیتی ہے جس کا تعلق صرف بندوں ہی سے ہے اور جو صحیح اجتماعیت اور صالح معاشرہ کو برپا کرنے کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہے، چنانچہ جس معاشرہ میں یہ روگ جتنا ہی کم ہے وہ باوجود اپنی تمام تر خرابیوں اور خدا بے زاری کے دنیاوی اعتبار سے ہمارے موجودہ اسلامی معاشرے سے بہتر ہے،

اسلام ایک ایسے پاکیزہ اور سچے معاشرے کا داعی ہے جو اعلیٰ اخلاقی بنیادوں پر قائم ہو، اسلامی تعلیمات میں جگہ جگہ اس پر زور دیا گیا ہے اور ان قدروں کو واضح کیا گیا ہے جن سے صحیح معاشرہ اور ایک پاکیزہ اجتماعیت وجود میں آئے۔ رمضان المبارک میں معاشرہ کا یہ پہلو بالکل کھل کر سامنے آ جاتا ہے، اس مبارک مہینے میں جہاں بندے اور خدا کے درمیان صحیح اور راست تعلق قائم کرنے والے اصول کی تعلیم دی گئی ہے وہیں اجتماع کو بہتر بنانے والے بنیادی اصول کی طرف بھی رہنمائی کی گئی ہے۔

اس مہینے میں ایک ہی احساس و شعور میں ہر مسلمان زندگی بسر کرتا ہے، خواہ وہ کسی درجہ کا انسان ہو، غریب ہو یا امیر، چھوٹا ہو یا بڑا، حاکم ہو یا رعیت، سب سے پہلا شعور جو اس ماہ مبارک کے شروع ہوتے ہی پیدا ہو جاتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ شخص اللہ کے حکم کے سامنے بالکل بے بس اور مجبور ہے اور اس کے حکم کی بجا آوری اپنی سب سے بڑی سعادت اور زندگی کی اصل کمائی تصور کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سی چیزیں جو رمضان کے علاوہ دوسرے دنوں میں حلال اور پاکیزہ تھیں، رمضان آتے ہی ان پر پابندی لگ گئی اور دن کے کسی حصہ میں ان کا استعمال کرنا یا برتنا گناہ کبیرہ بتایا گیا جس کا کفارہ بھی مشکل ہی سے ادا ہو سکتا ہے۔

یہ تو بندوں پر اللہ کا حق تھا، لیکن بندوں پر بندوں کا اور انسان پر انسان کا کیا حق ہے؟ تو فرمایا گیا کہ

”إذا كان يوم صوم أحدكم فلا يرفث ولا يصخب، فإن سابه أحد أو قاتله، فليقل إنى امرؤ صائم.“

(جب تمہارے روزے کا دن ہو تو چاہیے کہ گناہ سرزد نہ ہو اور نہ شور و ہنگامہ برپا ہو، اگر کوئی شخص تمہیں گالی دے یا تم سے لڑنے



بالکل واضح ہے کہ ان باتوں سے آپس میں تعلقات بہتر قائم ہوں گے اور ہر طرح کی کشیدگی سے معاشرہ محفوظ رہے گا۔

اگر غور کیا جائے تو رمضان المبارک کا مہینہ دراصل سال بھر کی خرابیوں اور کمزوریوں کو دور کرنے اور قلب کے آئینے کو صاف کرنے کے لیے آتا ہے اور اسی وجہ سے وہ اپنے ساتھ ایک ایسا فریضہ لاتا ہے جو انسانی تربیت کا بہترین علاج ہے اور شیطان و نفس کو ناکام بنانے کا بہترین ذریعہ ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ رمضان کا مہینہ ایک مثالی اجتماعیت کا علم بردار، اسلامی اخوت کا داعی اور اخلاص و محبت کا پیغامبر ہے۔ اس میں مہینے میں اسلامی معاشرہ کو ہم آہنگی، یگانگت اور وحدت والفت کی جو نعمت عطا ہوتی ہے، کیا خود ساختہ انسانی قانون میں یہ طاقت ہے کہ وہ اپنے معاشرہ کو یہ نعمت عطا کر سکے اور وہ اعلیٰ انسانی اور اخلاقی قدروں کی بنیاد پر ایسا معاشرہ برپا کر سکے جو اسلام کے بتائے ہوئے اصول پر قائم شدہ معاشرہ کے کسی طرح بھی مساوی ہو۔

رمضان المبارک کا یہ عظیم پیغام دنیا کے ہر مسئلہ کا حل ہے اور انسانی زندگی کی ہر گتھی اس پیغام کی روشنی میں سلجھائی جاسکتی ہے۔

خواہ وہ اور دوسری حیثیتوں سے کتنا ہی منحوس اور برا کیوں نہ ہو؟!

رمضان المبارک غم خواری، نیک سلوک، بہترین اخلاق کے مظاہرے اور آپس میں ایک دوسرے کی ہر اخلاقی مدد پر ترغیب دلانے کا مہینہ ہے، خاص طور پر اس کو ”شہر المواساة“، یعنی غم خواری اور نیک سلوک کا مہینہ قرار دیا گیا ہے، حدیثوں میں وارد ہے کہ حضور اکرم ﷺ اس مہینے میں تیز ہوا سے بھی زیادہ سخی ہو جاتے تھے۔ بالخصوص غریبوں اور تنگ دستوں کی مدد تو آپ اس طرح فرماتے تھے کہ ان کو اپنی تنگ دستی اور غربت کا احساس تک نہیں ہونے پاتا تھا۔

ظاہر ہے کہ غم خواری، نیک سلوک، سخاوت اور غریبوں کی مدد کا جذبہ جس معاشرے میں جب بھی پایا جائے وہ ایک بہترین اور مثالی معاشرہ ہوگا۔ جس میں اجتماعیت کی شان پوری طرح نمایاں ہوگی اور ہر شخص ایک دوسرے کا خیر خواہ، اس کے لیے مخلص اور اس کا معاون ہوگا۔ نبی کریم ﷺ نے اس اجتماعی شعور کو بیدار کرنے اور الفت و یگانگت، محبت و اخلاص کی فضا پیدا کرنے کے لیے بار بار توجہ دلائی ہے، ایک حدیث میں آپ نے روزہ دار کو افطار کرانے کی ترغیب دلاتے ہوئے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی روزہ دار کو افطار کرائے تو اس کو بھی اس کے روزے کے برابر ثواب ملتا ہے۔ اس کا مقصد

رمضان المبارک کے اعمال

مولانا محمد الحسنی



”ماہ رمضان ان لوگوں کے لیے خاص دعوت ہے جو گناہوں میں آلودہ رہنے لیکن اس کے باوجود اپنے کو سنبھالنے کی کوشش کرتے رہے، یہ ان سب ٹھکرائے ہوئے مایوس و بددل اور بے چین و بے قرار انسانوں کے لیے پیامِ رحمت بلکہ بابِ رحمت ہے کہ وہ آگے بڑھ کر دامنِ توبہ کو تھام لیں، اشک بار آنکھوں کو کچھ دن کے لیے آزاد چھوڑ دیں اور پھر یہ تماشہ دیکھیں کہ خدا کی رحمت کس طرح متوجہ ہوتی ہے۔

رمضان کے یہ چند دن جو دیکھنے میں بہت تھوڑے معلوم ہوتے ہیں ہمارے پورے سال پر بلکہ بعض اوقات پوری عمر پر بھاری ہو سکتے ہیں۔ کم از کم دو چیزوں کی طرف اس میں خاص توجہ کرنی چاہیے، امید ہے کہ اس سے بھی محرومی نہ رہے گی؛ ایک دعا کی کثرت اور دوسرے گناہوں سے اجتناب۔ اگر دعا کی مقدار کمیت و کیفیت دونوں لحاظ سے ہم زیادہ کر دیں اور جن گناہوں اور غلطیوں کا شکار اب تک ہو رہے تھے ان سے کم از کم ان دنوں ضرور بچنے کی کوشش کریں تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ اس نیت اور سعی کی برکت سے ہم کو برکتوں سے نوازدیں گے اور کیا عجب لیلۃ القدر کی سعادت بھی ہاتھ لگے۔“



دیا۔ پھر مولانا نے فرمایا کہ دیکھئے! مسلمان جھوٹ نہیں بولتا، اسلام اس کی تاکید کرتا ہے کہ جو بات کہی جائے وہ سچ کہی جائے اور کسی کا حق نہ مارا جائے، میں سچ کہتا ہوں کہ یہ جگہ مندر کی ہے مسجد کی نہیں۔ یہ منظر دیکھ کر اس وقت عدالت میں موجود انگریز جج نے عجیب و غریب جملہ کہا کہ مسلمان ہار گئے لیکن اسلام جیت گیا۔ اس واقعہ کا ہندوؤں پر بھی یہ اثر ہوا کہ تاریخ میں لکھا ہے کہ اللہ نے ان لوگوں کو توفیق دی اور انہوں نے کہا کہ ہم سب اللہ کے ماننے والے ہیں، اب یہاں مسجد ہی بنے گی۔

یہ سچائی ہوتی ہے جو بولتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے سچائی اور امانت داری میں اثر رکھا ہے۔ یہی چیز تقویٰ ہے اور یہی تقویٰ کا مزاج ہے۔ جب آدمی برائی سے بچے گا اور سچائی اختیار کرے گا اور پورا دین اپنی زندگی میں لائے گا، ظاہر و باطن کی زندگی جب اسلام کے سانچے میں ڈھالے گا تو یہی چیز ”تقویٰ“ کہلائے گی۔ ورنہ ظاہر ہے کہ دین صرف چند چیزوں کا نام نہیں ہے۔

تقویٰ کی کیفیت ہی سے متعلق ایک عجیب و غریب واقعہ حضرت سید احمد شہیدؒ کے قافلہ کا ہے، وہ رائے بریلی سے ہجرت کر کے جہاد کے لیے پشاور تشریف لے گئے، ان کا ارادہ تھا کہ اس ملک سے انگریزوں کو نکال باہر کیا جائے، انہوں نے یہاں ناجائز قبضہ کر رکھا ہے، اس کی خاطر ملک میں باقاعدہ اس کے لیے لڑائی لڑی جائے اور جہاد کیا جائے، اسی لیے وہ پشاور تشریف لے گئے، ان کے ساتھ کئی سو کا قافلہ بھی ان کے ساتھ گیا، ان سب کا وہاں قیام ہوا۔ سال ڈیڑھ سال کا عرصہ گزر چکا تھا، پشاور میں بڑے خوبصورت لوگ ہوتے ہیں، ایک مرتبہ وہاں کے ایک پٹھان نے ایک مجاہد کا ہاتھ پکڑا اور بولا: ایک بات بتائیے کہ کیا آپ لوگوں کو دور کا نظر نہیں آتا؟ وہ کہنے لگے: یہ سوال ہی عجیب ہے، ہمیں تو سب دور کا نظر آتا ہے، لیکن تم یہ سوال کیوں کر رہے ہو؟ تو پٹھان کہنے لگا: بات یہ ہے کہ آپ لوگوں کو سال ڈیڑھ سال یہاں آئے ہوئے ہو چکا.....

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

تقویٰ کیا ہے؟

بلال عبدالحی حسنی ندوی

دو اہم واقعات:

ایسا ہی ایک اور واقعہ ہے مولانا محمود بخش کا، جو مولانا محمد الیاس کاندھلوی کے خاندان سے تھے۔ غالباً کاندھلہ یا آس پاس ہی کے کسی علاقہ کا قصہ ہے کہ وہاں کسی جگہ کا جھگڑا تھا، ہندو کہتے تھے کہ مندر کی جگہ ہے اور مسلمان کہتے تھے کہ مسجد کی جگہ ہے۔ انگریزوں کا زمانہ تھا اور اس زمین پر مقدمہ چل رہا تھا، ایک مرتبہ انگریزوں نے فریقین کے سامنے یہ بات رکھی کہ عرصہ سے یہ مقدمہ چل رہا ہے اور کوئی بات صاف نہیں ہوتی، آپ کسی ایسے شخص کو حکم بنا لیجئے جس کو آپ دونوں تسلیم کرتے ہوں، وہ جو بات کہہ دیں گے اسی پر فیصلہ ہو جائے گا۔ تو لوگوں نے مولانا محمود بخش کا نام تجویز کیا کہ ہم انہیں اپنا فیصلہ بناتے ہیں، وہ جو بھی کہیں گے ہم اس کو مان لیں گے۔ ہندوؤں نے کہا کہ اگر وہ کوئی بات کہتے ہیں تو ہم لوگ بھی مان لیں گے، وہ تو بڑے نیک اور سچ بولنے والے آدمی ہیں۔ پھر جب مولانا سے عدالت میں چلنے کی لوگوں نے درخواست کی تو وہ کہنے لگے کہ میں تو انگریز کا منہ دیکھنا نہیں چاہتا اس لیے میں عدالت میں نہیں جاؤں گا، لیکن انگریزوں کا معاملہ یہ ہے کہ ان کے اندر حقیقت پسندی بھی ہوتی ہے، اس لیے انہوں نے ایک راہ نکالی اور کہا کہ آپ ہمارا منہ نہ دیکھنا، آپ منہ پھیر کر کھڑے ہو جانا، مگر آپ عدالت میں آکر گواہی دے دیجیے۔ مولانا نے کہا: ٹھیک ہے، پھر وہ عدالت پہنچے اور جا کر کہا کہ میں بوڑھا ہو گیا اور میں زمانہ سے جانتا ہوں کہ یہ جگہ مسجد کی نہیں مندر کی ہے، مسجد والے ناحق مقدمہ کر رہے ہیں اور دعویٰ کر رہے ہیں، ان کا یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے۔ یہ سن کر مسلمانوں پر عجیب کیفیت طاری ہوئی اور ہندو بڑے خوش ہوئے، گویا ظاہری طور پر انہوں نے اپنے ہی خلاف بیان دے

طلاق کے چند مسائل



مفتی راشد حسین ندوی



طلاق کی تعریف:

لفظ طلاق کے لغوی معنی ”رفع القید“ یعنی پابندی ہٹانے کے ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں مخصوص الفاظ کے ذریعہ زوجین پر جو پابندیاں عائد ہوتی ہیں طلاق بائن کے ذریعہ فوری طور پر یا طلاق رجعی دے کر مال (مستقبل میں) ان کے ختم کر دینے کو کہتے ہیں۔

(شامی: ۲/۴۳۹-۴۵۰)

طلاق کا رکن:

طلاق کا صرف ایک رکن ہے اور وہ یہ ہے کہ شوہر بیوی کے لیے کوئی ایسا لفظ استعمال کرے جو طلاق پر دلالت کرتا ہو، خواہ صراحتاً طلاق پر دلالت کرتا ہو جیسا کہ صریح الفاظ میں ہوتا ہے، یا کنیائاً دلالت کرتا ہو جیسا کہ کنائی الفاظ میں ہوتا ہے۔ دونوں کی تفصیلات آگے بیان کی جائیں گی۔

(شامی: ۲/۴۵۳)

طلاق کی شرائط:

طلاق کی شرائط مندرجہ ذیل ہیں، ان کے نہ پائے جانے پر طلاق واقع نہ ہوگی۔

(۱) شوہر عاقل، بالغ اور حالت بیداری میں ہو، چنانچہ اگر کوئی پاگل اپنی بیوی کو طلاق دے تو واقع نہیں ہوگی، اسی طرح نابالغ اپنی بیوی کو طلاق دے تو واقع نہیں ہوگی اور اگر کوئی سونے کی حالت میں طلاق دے تو واقع نہیں ہوگی۔

(شامی: ۲/۴۵۳)

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین لوگوں سے قلم کو اٹھا لیا گیا (یعنی یہ تین لوگ مکلف نہیں ہوتے اور ان کی اہلیت مفقود ہو جاتی ہے) سوتے شخص سے یہاں تک کہ وہ بیدار ہو جائے، بچہ سے یہاں تک کہ وہ بالغ

ہو جائے اور مجنون سے یہاں تک کہ وہ عاقل ہو جائے۔

(أبو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ، احمد)

(۲) جس عورت کو طلاق دی جا رہی ہے وہ شوہر کے نکاح میں

ہو یا اس کی عدت میں ہو۔

(۳) عورت دخول کے بعد حرمت مصاہرت سے دوچار نہ

ہوگئی ہو، چنانچہ دخول کے بعد جب حرمت مصاہرت پیدا ہو جائے

اور وہ عورت متارکت کے بعد عدت گزارنے لگے تو عدت کے

دوران (اور بدرجہ اولیٰ اس کے بعد) اس کو طلاق نہیں دی جاسکتی۔

(ہندیہ: ۱/۳۸۴)

طلاق کا حکم:

طلاق کی کئی صورتیں ہیں اور ہر صورت کا الگ حکم ہے۔

طلاق رجعی کا حکم:

اگر طلاق کے صریح الفاظ جیسے: میں نے تم کو طلاق دی، یا تم کو چھوڑ دیا کے ذریعہ ایک یا دو طلاق دے تو حکم یہ ہے کہ جب تک عدت باقی ہے شوہر عورت کی اجازت کے بغیر اس سے رجوع کر سکتا ہے، عدت ختم ہونے کے بعد یہ حق ختم ہو جاتا ہے، البتہ اگر دونوں راضی ہیں تو پھر سے نکاح کر سکتے ہیں۔

طلاق بائن کا حکم:

اگر طلاق بائن تین سے کم دی ہوں تو طلاق دیتے ہی عورت اس کے نکاح سے باہر ہو جاتی ہے، البتہ عدت کے دوران اور عدت ختم ہونے کے بعد بھی دونوں راضی ہوں تو پھر سے نکاح کر سکتے ہیں۔ طلاق بائن یہ ہے کہ یا تو بائن کا لفظ استعمال کرتے ہوئے کہے کہ میں نے تم کو طلاق بائن یا طلاق قطعی دی، یا کسی ایسے لفظ سے



طلاق احسن:

طلاق احسن، طلاق کا سب سے بہترین طریقہ ہے، اس کے لفظی معنی ہیں سب سے بہتر طریقہ طلاق اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ عورت کو ایسے طہر کے زمانہ میں جس میں اس سے مباشرت نہ کی ہو ایک رجعی طلاق دے پھر اس کو مزید طلاق نہ دے یہاں تک کہ اس کی عدت گزر جائے، یہ طریقہ سب سے بہتر اس لیے ہے کیونکہ جب تک عدت باقی ہے اس سے رجوع کرنے کی گنجائش رہے گی اور عدت ختم ہونے کے بعد بھی دونوں راضی ہوں تو نکاح کر سکتے ہیں، اس طرح اگر وقتی غصہ سے طلاق دی گئی ہو تو غلطی کو سدھارنے کے لیے ایک طویل زمانہ رہے گا اور آدمی ندامت سے محفوظ رہے گا، اسی لیے ابراہیم نخعی سے منقول ہے کہ صحابہ کرام اسی طریقہ کو بہتر سمجھتے تھے، پھر اس میں ائمہ میں سے کسی کا اختلاف بھی نہیں ہے، سب اس کو طلاق سنت قرار دیتے ہیں، جب کہ طلاق حسن میں ان کا اختلاف نقل کیا جاتا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۰۲۲، کتاب الطلاق، ہندیہ: ۳۴۸/۱، شامی: ۴۵۳/۲)

طلاق حسن:

طلاق حسن کا مطلب یہ ہے کہ ایک طلاق ایسی پاکی میں دے جس میں بیوی سے مباشرت نہ کی ہو، پھر دوسری طلاق دوسری پاکی میں دے اور تیسری طلاق تیسری پاکی میں دے۔ اس طرح الگ الگ طہروں میں ترتیب وار تین طلاقیں ہو جائیں گی۔ یہ طریقہ بھی جائز ہے لیکن امام مالک کے نزدیک یہ صحیح طریقہ نہیں ہے، اس لیے اس سے احتراز زیادہ بہتر ہوگا، پھر بھی غور کیا جائے کہ جب تک تیسرے طہر میں تیسری طلاق نہ دے دے اس کے لیے رجوع کی گنجائش رہے گی، اسی لیے بدعی طریقوں کے مقابلہ میں یہ بہر حال بہتر طریقہ ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: طلاق سنت اس حال میں ایک طلاق دینا ہے جب بیوی پاک ہو اور اس سے جماع (اس طہر میں) نہ کیا ہو، پھر جب اسے حیض آجائے اور پاک ہو جائے تو تیسری طلاق دے دے، پھر

طلاق دی جو طلاق کے علاوہ دوسرے معانی کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے جیسے طلاق کی نیت سے کہے کہ جاؤ! اپنے گھر چلی جاؤ، یا اپنے لیے کوئی دوسرا شوہر تلاش کر لو وغیرہ۔

تین طلاق کا حکم:

اور اگر صریح یا بائن الفاظ سے تین طلاقیں دے دیں تو اب نہ اس سے رجوع کر سکتا ہے، نہ شرعی حلالے کے بغیر اس سے نکاح کر سکتا ہے۔ (ہندیہ: ۱/۳۴۸)

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر تیسری طلاق دے دی تو وہ عورت اس کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک وہ دوسرے سے نکاح نہ کر لے، پھر جب دوسرا شوہر طلاق دے دے تو وہ پھر سے نکاح کر سکتے ہیں: ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾ (البقرة: ۲۳۰)

اور جب تین سے کم طلاق رجعی دی ہوں تو رجوع کی اجازت دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ...﴾ (البقرة: ۲۲۸)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ طلاق رجعی تین سے کم ہوں تو شوہر کو عورتوں سے رجوع کرنے کا اختیار ہوگا۔

طلاق کی قسمیں:

طلاق دینے کے طریقوں کے اعتبار سے طلاق کی دو قسمیں ہیں، پھر ان دونوں قسموں میں سے ہر ایک کی دو قسم ہے، چنانچہ ابتدائی طور پر طلاق کی دو قسمیں ہیں:

(۱) طلاق سنت (۲) طلاق بدعت

طلاق سنت کا مطلب یہ ہے کہ شریعت نے طلاق کا جو طریقہ بتایا ہے اس طریقہ کا خیال رکھ کر طلاق دی جائے۔ سنت طریقہ پر طلاق دینے سے بعد میں پچھتاوا ہونے پر تلافی کا راستہ رہتا ہے، اسی لیے طلاق دینا ناگزیر ہو تو اسی طریقہ پر طلاق دینی چاہیے۔ پھر طلاق سنت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) طلاق حسن (۲) طلاق احسن



اس طریقہ سے طلاق دے تو طلاق پڑ جائے گی اور وہ گناہگار ہوگا۔
(ہدایہ مع فتح القدر: ۳/۳۲۹)

بقیہ: تقویٰ کیا ہے؟

آپ لوگ شادی شدہ بھی ہیں اور غیر شادی شدہ بھی ہیں اور ماشاء اللہ نوجوان ہیں اور نوجوانوں کے اندر تقاضے بھی ہیں، لیکن اس پوری مدت میں ہم نے کسی کو نہیں دیکھا کہ ان میں سے کسی ایک نے بھی نامحرم کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا ہو، حالانکہ یہاں خوبصورت لڑکیاں موجود ہیں، یہاں خان لوگ رہتے ہیں اور ان کی لڑکیاں بے پردہ بھی رہتی ہیں، لیکن کسی نے نظر اٹھا کر ہی نہیں دیکھا، تو ہم لوگ آپس میں تذکرہ کر رہے تھے کہ لگتا ہے ان لوگوں کو دور کا نظر ہی نہیں آتا، ورنہ یہ خوبصورت لڑکیاں گذرتی ہیں، اندر جذبات پیدا ہوتے ہیں مگر ان میں سے کوئی بھی ان کی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھتا۔ تو ان مجاہد نے جواب دیا: ایسا نہیں ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت سید صاحب ہمارے امیر ہیں، انہوں نے ہماری غیر معمولی تربیت کی ہے اور ہمیں قرآن مجید کا حکم ہے: ﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ﴾ (النور: ۳۰) (ایمان والوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں)

ظاہر ہے یہی وہ امتیازی شان ہے جس کی طرف اشارہ ہے: ﴿يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا﴾ (وہ تمہیں ایک امتیاز عطا فرمائے گا) اسی شان کی بنیاد پر وہاں کے لوگوں کو ان سے یہ پوچھنا پڑا کہ کیا قافلہ میں سب کے سب کمزور بینائی والے ہیں۔ گویا ان کو محسوس کیا گیا اور یہی شان امتیازی ہے کہ اس کو محسوس کیا جائے۔ جب ایک مسلمان گذرے تو دیکھنے والا محسوس کرے کہ یہ مسلمان ہے جو جھوٹ نہیں بولتا، خیانت نہیں کرتا، دھوکہ نہیں دیتا، کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتا۔ حدیث میں آتا ہے: ”صحیح مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے لوگ محفوظ ہوں۔“ سوچنے کی بات ہے کہ یہ کتنی باریک باریک باتیں ہیں جن کا تعلق تقویٰ اور احتیاط کی زندگی سے ہے، لیکن ہم لوگ اس کا خیال نہیں کرتے۔

اس کے بعد وہ ایک حیض سے عدت گزارے گی، (اس لیے کہ عدت تین حیض ہوتی ہے اور پہلی طلاق دینے کے بعد دو حیض گزار چکے ہیں، لہذا تیسری طلاق کے بعد عدت کا صرف ایک حیض بچا ہے۔)
(سنن نسائی: ۳۳۹۱)

اسی طرح بدعی طلاق کی بھی دو قسمیں ہیں:

(۱) ایک ساتھ ایک سے زیادہ طلاق دینا، یا ایک طہر میں ایک سے زیادہ طلاق دینا، ایک سے زائد طلاق خواہ ایک کلمہ سے دے مثلاً: کہے کہ میں نے تم کو دو یا تین طلاق دی، یا الگ الگ کلمات سے دے مثلاً: کہے کہ تمہیں طلاق، تمہیں طلاق۔

(۲) طلاق بدعی یا طلاق بدعت کی دوسری قسم یہ ہے کہ مدخول بہا عورت (یعنی جس سے جماع کر چکا ہو) کو حالت حیض میں طلاق دے یا ایسے طہر میں طلاق دے جس میں جماع کر چکا ہو، تو اس حالت میں خواہ ایک ہی طلاق دے، طلاق بدعت ہوگی اور اگر کوئی یہ گناہ کر بیٹھے تو اگر رجوع کرنا ممکن ہو تو اس پر رجوع کرنا واجب ہے، پھر اگر طلاق دینا ہی ہے تو اگلے طہر میں بھی طلاق نہ دے بلکہ اگلے طہر کے بعد جب دوسرا طہر آئے تو اس میں طلاق دے۔

(شامی ۲/۴۵۵)

اس لیے کہ بخاری و مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا ذکر آنحضرت ﷺ سے کیا تو آپ نے فرمایا کہ اپنے بیٹے سے کہو کہ وہ اس سے رجوع کر لیں، پھر اسے چھوڑے رکھیں، یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائے، پھر اسے حیض آئے پھر پاک ہو جائے، پھر اگر چاہیں تو اس کو بیوی بنائے رکھیں اور چاہیں تو جماع کرنے سے پہلے طلاق دے دیں۔

(مسلم: ۱۴۷۱، بخاری: ۵۲۵۱)

طلاق بدعی کا حکم:

طلاق دینا ہی ہے تو طلاق احسن یا طلاق حسن کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے، طلاق بدعی کا طریقہ اختیار کرنا گناہ کا کام ہے، پھر بھی اگر کوئی



رمضان المبارک اور اس کے تقاضے



عبدالسبحان ناخدا ندوی

حاصل ہو جائے گا۔ اس لیے کہ یہ مہینہ انہی خصوصیات کا حامل ہے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رمضان المبارک میں اللہ کی جنت کو سجایا جاتا ہے، گویا اللہ کی طرف سے ایک اعلان ہوتا ہے کہ جو اللہ کی رحمت و مغفرت پانا چاہے وہ آگے آئے، جو سلامتی کے گھر کو حاصل کرنا چاہے تو اس کے لیے سارے راستے کھلے ہوئے ہیں اور خاص طور پر رمضان کی یہ فضیلت بڑی اہم ہے، ارشاد نبوی ہے:

”إذا جاء رمضان فتحت أبواب الجنة وغلقت أبواب

النار وصفدت الشياطين.“ (صحیح مسلم: ۲۵۴۷)

(جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو جنت کے دروازے پوری طرح کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازوں کو مکمل طریقہ سے بند کر دیا جاتا ہے اور شیاطین کو پابند سلاسل کر دیا جاتا ہے۔)

سچی بات یہ ہے کہ رمضان کا مبارک مہینہ خوفِ خدا پیدا کرنے اور تقویٰ کی صفت کو مستحضر کرنے کے لیے آتا ہے۔ یوں تو تمام عبادتیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے ہی جاری فرمائی ہیں، نماز جاری فرمائی تاکہ اللہ کو یاد کیا جائے اور اس کا خوف دلوں کے اندر رکھا جائے۔ زکوٰۃ کو بھی اللہ نے خوفِ خدا کے ساتھ جوڑا ہے۔ حج کے تعلق سے بھی یہ بات ارشاد ہوئی ہے کہ سب سے بہترین زادِ راہ خوفِ خدا یعنی اللہ کا تقویٰ و خشیت ہے، لیکن روزوں کی مشروعیت کا خاص طور پر یہی مقصد بتایا گیا ہے کہ انسان کے اندر اللہ کا خوف پیدا ہو اور وہ ہر قدم پر اللہ کی ذات اور اس کی مرضیات کو پیش نظر رکھے نیز اللہ رب العزت کی ناراضگی سے ڈرتا رہے۔ روزوں کی فرضیت کا حکم دیتے ہوئے اللہ نے یہ بات صاف ارشاد فرمائی:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ

بلاشبہ یہ بڑی سعادت اور فضل کی بات ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں ایک مرتبہ پھر رمضان المبارک کا مہینہ عطا فرمایا، یہ مہینہ اللہ تبارک و تعالیٰ سے قرب حاصل کرنے کا ایک بہترین ذریعہ اور نعمت ہے اور اللہ کی جو نعمت بھی ہمیں حاصل ہو اس کا شکر ادا کرنا چاہیے، اللہ کے جو بندے اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہیں تو اللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ اللہ ان نعمتوں میں اور اضافہ کرتا ہے، ارشاد الہی ہے:

﴿وَإِذ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ﴾ (ابراہیم: ۷) (اور جب تمہارے رب نے آگاہ کر دیا کہ اگر تم نے احسان مانا تو ہم تمہیں اور دیں گے اور اگر تم نے ناشکری کی تو میری مار بڑی ہی سخت ہے۔)

رمضان المبارک بھی اللہ تبارک و تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے، اس لیے اس کی آمد کے موقع پر ہمارے اندر شکر کے جذبات ہونا چاہئیں، ہمیں کسی بھی لمحہ یہ خیال نہیں آنا چاہیے کہ رمضان کی آمد گویا ایک بوجھ ہے، یا نعوذ باللہ یہ مہینہ کسی مصیبت سے کم نہیں، حقیقت میں ایسے خیالات الحادی ہیں، اس طرح انسان اللہ کے دین سے وابستہ نہیں رہ پاتا اور ایسے شخص کے لیے ماہِ رمضان نامبارک بن جاتا ہے۔ اس لیے کھلے دل سے اس عظیم مہمان کا استقبال کرنا چاہیے اور اس نعمت کے حصول پر زیادہ سے زیادہ اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ مہینہ جن کاموں کے لیے بنایا ہے ان کو خاص طور پر کرنے کی کوشش کرنا چاہیے، اگر اس مہینے میں اعمالِ صالحہ کا اہتمام کر لیا جائے تو یہ مبارک مہینہ ہر ایک کے لیے صحیح معنی میں مبارک ثابت ہوگا اور خیر و برکت کا حامل ہوگا اور اللہ کے فضل و کرم سے اس مہینہ کے اختتام تک ہم سب کو باذن اللہ مغفرت کا پروانہ بھی



ہو جاتی ہے تو ہر طرح کی نیکیاں کرنا آسان ہو جاتا ہے اور تمام برائیوں سے بچنا بھی آسان ہو جاتا ہے۔

رمضان المبارک میں خاص طور پر دعاؤں کا اہتمام بھی کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ نے جہاں روزوں کی آیات بیان فرمائی ہیں، وہیں درمیان میں آیت دعا کو بھی بیان فرمایا ہے، ارشاد الہی ہے:

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ﴾ (اور جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو میں تو قریب ہی ہوں ہر پکارنے والے کی پکار میں سنتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے تو ان کو بھی چاہیے کہ وہ میری بات مانیں اور مجھ پر یقین رکھیں تاکہ وہ سعادت سے ہمکنار ہوں)

دعا کے متعلق رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ سے نہیں مانگتا، اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے۔ حضور ﷺ نے یہ بات بھی ارشاد فرمائی کہ جس کسی کے سامنے دعا کے دروازے کھول دیے گئے گویا اس کے لیے رحمت کے دروازے کھول دیے گئے۔

رمضان کا مہینہ رحمت الہی کے حصول کا مہینہ ہے جس کے نتیجے میں اللہ کی طرف سے ہمیں پاکیزگی حاصل ہوگی۔ اس لیے اس مہینہ میں ہمیں زیادہ سے زیادہ دعاؤں کا اہتمام بھی کرنا چاہیے تاکہ رحمت خداوندی کا حصول آسان ہو سکے اور اس کی بنیاد پر پاکیزگی بھی ملے۔

رمضان کا مہینہ ہمیں پاکیزہ کرنے اور ہمارے گناہوں کو دھونے کے لیے آتا ہے، اس لیے ہر انسان کو اس مہینہ کے اختتام سے پہلے اپنے آپ کو پاکیزہ کر لینا چاہیے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے ایسے شخص کے لیے بد دعا کی ہے اور آپ ﷺ نے اس بد دعا پر آمین فرمائی ہے جسے رمضان کا مہینہ ملے پھر بھی اس کی مغفرت نہ ہو۔ گویا رمضان کا یہ مہینہ اللہ کی طرف سے رحمت و مغفرت کا انتہائی طاقتور ترین ذریعہ ہے، لہذا اللہ کی طرف سے یہ نعمت ملنے کے بعد اس کا شکر ادا کیا جائے اور اس کا احسان مانا جائے اور زیادہ سے زیادہ اس کی عبادتیں کی جائیں۔ یہی اس مہینہ کا مطالبہ و تقاضا ہے۔

عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿البقرة: ۱۸۳﴾
(اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے، عجب نہیں کہ تم متقی بن جاؤ)

روزوں کی مشروعیت خوفِ خدا کے لیے ہوئی ہے، اللہ کا خوف جس دن ہمارے اندر پیدا ہو گیا وہ ہماری زندگی کا مبارک ترین دن ہوگا، روزے کے اندر انسان کے سامنے کھانے پینے کی چیزیں اور ہر طرح کی آسائشیں موجود ہوتی ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے سے منع کیا ہے، اس لیے تقویٰ کی بنیاد پر انسان کھانے پینے سے رکتا ہے، اسی طرح انسان کی پوری زندگی کا اگر یہ معمول ہو جائے کہ وہ اللہ کی منع کردہ چیزوں سے باز رہے تو گویا اس نے رمضان کا پیغام حاصل کر لیا اور روزہ کے مقصد کو پالیا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ زندگی کے اندر خوفِ خدا پیدا ہو، انسان ہر قدم پر یہ سوچے کہ اللہ کا حکم کیا ہے اور اللہ کی رضا مندی کس چیز میں ہے؟ رمضان کے یہ روزے اسی لیے ہیں تاکہ ان کے ذریعہ پوری زندگی کی تربیت ہو جائے اور انسان سلامتی کی زندگی گزار سکے۔ ارشاد الہی ہے:

﴿يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ (جو بھی اللہ کی خوشنودی چاہتا ہے اس کے ذریعہ سے اللہ ان کو سلامتی کی راہوں پر ڈال دیتا ہے اور اپنے حکم سے ان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آتا ہے اور ان کو سیدھا راستہ چلاتا ہے)

اگر ہمیں سلامتی کے راستے کی تلاش ہے تو ہمیں تقویٰ کی زندگی بسر کرنی پڑے گی اور یہ جستجو رکھنی پڑے گی کہ اللہ کی رضا مندی کیا ہے؟ ہمیں حلال و حرام کی تمیز بھی رکھنی پڑے گی اور ایک صاف ستھری زندگی گزارنے کا عہد کرنا پڑے گا۔ روزوں کے ذریعہ سے ان تمام چیزوں کی گویا محنت اور مشق کروائی جاتی ہے، روزہ ایک عظیم الشان رکن بھی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ دین کے دوسرے جتنے ارکان و احکام ہیں، ان تمام پر عمل پیرا ہونے کے لیے راستے بھی آسان کرتا ہے، اس لیے کہ جب آدمی کے اندر تقویٰ کی کیفیت پیدا



قرآن مجید - انسانیت کی بقا کا ضامن

عبدالمسیح ندوی بھٹکلی

ایران دو معبودوں کا اعتقاد پالے بیٹھا تھا؛ یزداں اور اہرمن، ہر ظلمت کا خدا اور ہے، روشنی کا اور، نیکی کا اور بُدی کا اور، اپنی ماؤں اور بیٹیوں کو اپنے ہی حرم کی زینت بنانا رواج بن چکا تھا اور غلام بنانے کی روایت زوروں پر تھی۔

ادھر یونان کا حال یہ تھا کہ متنوع اور متضاد معبودانِ باطل کی پرستش میں مبتلا اور لاج حاصل چیزوں اور بد مستیوں میں منہمک ہو کر وحی کے نور اور پیغمبروں کی تعلیمات سے کوسوں دور ہو چکے تھے۔

یہی کچھ صورت حال ترکوں کی تھی، وہاں تخریب کاری اور غلاموں کے ساتھ بدترین برتاؤ اپنی انتہا پر تھا۔

ہندوستان ”جتنے کنکر اتنے شنکر“ کا مصداق۔ گائے، شجر، حجر سب کے آگے سجدہ ریز تھا۔

روم اپنے کروفر اور طاقت کے نشہ میں دھت اور شہوت رانی میں مدہوش تھا۔

یہود اپنے عناد و سرکشی میں بدمست اور افترا پردازی اور دروغ گوئی کی لعنت میں گرفتار تھے۔

نصاری صلیب کے پجاری اور تمثیث کے دعویدار تے اور ان میں قدسیوں کی تقدیس عروج پر تھی۔ الغرض وحی الہی سے دوری نے پورے انسانی معاشرے کو تعفن زدہ اور بدبودار بنا دیا تھا۔

حضرت جعفرؓ کی نجاشی کے سامنے کی گئی تقریر ایسے ہی سڑے گلے انسانی معاشرے کی ایک منہ بولتی تصویر ہے۔ ذرا اس کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

”أَيُّهَا الْمَلِكُ! كُنَّا قَوْمًا أَهْلَ جَاهِلِيَّةٍ، نَعْبُدُ الْأَصْنَامَ، وَنَأْكُلُ الْمَيْتَةَ، وَنَأْتِي الْفَوَاحِشَ، وَنَقْطَعُ الْأَرْحَامَ، وَنَسِيءُ

قرآن کریم کی اہمیت اور اس کی ضرورت کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اس ماحول اور اس زمانے سے واقف ہوں جس میں قرآن کریم کا نزول ہوا۔ مدت ہائے دراز کے لیے جب اس زمین کا رشتہ وحی الہی سے منقطع ہوا تو نتیجہ یہ ہوا کہ اس وقت کی تہذیب و ثقافت کی علم بردار سمجھی اور کہی جانے والی تو میں اس قدر پرستی کی حالت میں تھیں کہ جہاں انسانیت چھوڑیے حیوانیت شرم سار ہو جائے۔ ذرا ایک نظر تہذیب و ثقافت کی امین قوموں پر ڈالتے ہیں:

﴿وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ﴾ (النحل: ۵۸) (اور جب ان میں کسی کو لڑکی کی خوش خبری دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ گھٹ کر رہ جاتا ہے) عرب بت پرستی میں مبتلا تھے، بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا مشغلہ بن چکا تھا، ظلم عروج پر تھا، دین ابراہیمی کا کہیں نام و نشان باقی نہ تھا اور خواہشات کو فرمان الہی کا رنگین عنوان دیا جا رہا تھا:

﴿مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ﴾ (الزمر: ۳) (ہم ان کی بندگی اس لیے کرتے ہیں تاکہ یہ ہمیں اللہ سے مرتبہ میں قریب کر دیں)

﴿الْكُفْرَ وَالْأُنثَىٰ﴾ (النجم: ۲۱) (کیا تمہارے لیے بیٹے ہوں اور اس کے لیے بیٹیاں) ﴿أُمَّ لَّهُ الْبَنَاتُ وَالْكُفْمُ الْبُنُونَ﴾ (الطور: ۳۹) (یا اس کے لیے لڑکیاں ہیں اور تمہارے لیے لڑکے ہیں)

﴿وَجَعَلُوا لِلَّهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ نَصِيبًا﴾ (الأنعام: ۱۳۶) (اور اللہ نے جو بھی کھیتی اور مویشی پیدا کیے اس میں سے لوگوں نے اللہ کا ایک حصہ رکھا)



الجوار، ویأکل القوی منا الضعیف.“

(بادشاہ سلامت! ہم ایک جاہل قوم تھے، بتوں کو پوجتے، مردار کھاتے، فحش کام کرتے، رشتوں کا ہم میں کوئی پاس نہ تھا، پڑوسی کو اذیت دینا عام سی ایک بات تھی، ہمارا طاقتور ہمارے کمزور کو کھا جاتا، اس کا حق دبا جاتا تھا۔)

اسی لیے قرآن کریم کو جب پڑھا جائے تو اس وقت کی دنیا کا حال بھی ہمارے سامنے رہے، جس کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا، حدیث میں آتا ہے کہ اللہ نے اہل زمین پر نظر کی تو کیا عرب، کیا عجم سب کے سب ایک ہی تھالی کے چٹے بٹے تھے، سب کے سب زمین پر رہنے کا استحقاق کھو چکے تھے، اللہ سب پر بے حد ناراض ہوا، ہاں کچھ اہل کتاب گپ اندھیرے میں ایسے روشن تھے تھے جو شب تاریک کو سحر کرنے میں ناکام تھے:

”إن اللہ نظر إلی أهل الأرض فمقتهم عربهم وجمهم إلا بقایا من أهل الكتاب.“

چنانچہ پہلی وحی انسانی تاریخ کا ایک ایسا واقعہ ہے جس سے بڑا کوئی واقعہ نہیں ہو سکتا، یہ واقعہ وہ ہے جو آسمان سے زمین کو جوڑتا ہے، جو انسانی تعفن زدہ ڈھانچے میں تازگی بھرتا ہے اور اخلاق و کردار و عالی اقدار سے عاری زمین میں رنگوں کی نئی جوت جگاتا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ یہ واقعہ رونما نہ ہوتا تو انسانی زندگی کی بساط لپیٹی جا چکی ہوتی:

﴿وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَى ظَهْرِهَا مِنْ دَابَّةٍ﴾ (فاطر: ۴۵)
(اور اگر اللہ لوگوں کی ان کے کرتوتوں پر پکڑ کرنے لگے تو روئے زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہ چھوڑے)
قرآن کریم خود کو اور صاحب قرآن ﷺ کو ”رحمة“ کے نام سے یاد کرتا ہے:

﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ﴾ (الإسراء: ۸۲) (اور ہم وہ قرآن اتار رہے ہیں جو ایمان والوں کے لیے شفا و رحمت ہے)

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ (الأنبياء: ۱۰۷)
(اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے)

اس رحمت الہی کو اس ناچہ سے بھی دیکھا جائے کہ اگر نزول قرآن نہ ہوتا اور بعثت نبوی نہ ہوتی تو روئے زمین پر انسان کا وجود نہ ہوتا اور قیامت کبریٰ برپا کی جا چکی ہوتی، تو جب تک وحی الہی سے رشتہ استوار رہے گا، انسانی وجود اپنے اعلیٰ کردار کے ساتھ باقی رہے گا۔ اس لحاظ سے قرآن کریم کا وجود انسانی وجود اور اس کی بقا کا بھی ضامن ہے، پھر جب اس کی تعلیمات یکسر فراموش کی جائیں گی اور اس سے انسان کا رشتہ بالکل ہی منقطع ہو جائے گا تب قیامت قائم ہو جائے گی اور انسانی وجود کو ہمیشہ کے لیے اس دھرتی سے ختم کر دیا جائے گا۔

فہم قرآن کی شرط

مولانا عبدالماجد دریا بادی



”قرآن مجید کی دنیا، حکمت و اخلاق، روحانیت، و انسانیت کبریٰ کی دنیا ہے۔ اس کی فضا تحقیق و طلب کی فضا اور اس کا ماحول تقویٰ و طہارت کا ماحول ہے۔ اس کی گہرائیوں تک رسائی کے لیے تقویٰ کسی درجہ میں تو بہر حال لازمی ہے۔ طہارت قلب و طہارت جسم کا مطلق اہتمام کیے بغیر محض زبان دانی کے بھروسے پر قرآن سمجھ لینے کی کوشش ایک سعی لاحاصل ہے۔ ابو جہل اور ابولہب سے بڑھ کر زبان داں کون تھا؟ کوئی لغوی یا صرنی و نحوی اشکال انہیں کبھی کیوں پیش آتا، لیکن اپنی روح کو انہوں نے قرآنی روح سے یکسر بیگانہ و نا آشنا رکھا، نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن ان پر ذرا بھی نہ کھلا، بالکل بند ہی رہا اور وہ فہم قرآنی کے درجہ ادنیٰ کی بھی سعادت سے محروم ہی رہے۔“



روزے کے ظاہری و باطنی فوائد



محمد نجم الدین ندوی

کیا کہ ایسی چیز بتائیے جس میں جسمانی صحت کی حفاظت کی ضمانت ہو؟ تو سب نے یہی جواب دیا کہ اس کا واحد ذریعہ کم کھانا اور بھوک ہے۔ اسی طرح انہوں نے علمائے کرام سے پوچھا کہ حافظہ کی قوت اور یادداشت کے لیے بہترین چیز بتائیے جس سے علوم و فنون محفوظ رہ سکیں؟ تو حضرات علمائے کرام نے جواب عنایت کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ کم کھانا اور بھوک ہے۔ انہوں نے زاہدوں سے سوال کیا کہ دنیا کی لذت اور بے رغبتی پر کس چیز سے مدد حاصل ہوتی ہے؟ تو جواب آیا کہ کم کھانے اور بھوک سے یہ دولت حاصل کی جاسکتی ہے۔ انہوں نے حکماء و عقلاء سے پوچھا کہ جو چیز عقل و فہم کو زیادہ کرے وہ کیا ہے؟ انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ کم کھانا اور بھوک ہے۔ انہوں نے عابدوں سے پوچھا کہ عبادت کی طرف انسان کو مائل کرنے والی چیز کیا ہے؟ تو جواب آیا کہ کم کھانا اور بھوک۔ انہوں نے بادشاہوں سے پوچھا کہ وہ عمدہ اور بہترین شے کیا ہے جو کھانے کو لذیذ سے لذیذ تر بنا دے؟ جواب ملا کہ وہ کم کھانا اور بھوک ہے۔ ان جملہ فوائد کو سن کر محمد بن الیمانی نے اس بھوک و پیاس کو روزے جیسی محبوب عبادت کی شکل میں اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا تاکہ مذکورہ فوائد کے ساتھ عبادت کا بھی ثواب حاصل ہو، چنانچہ اسی دن سے محمد بن الیمانی ہمیشہ روزہ رکھنے لگے اور وہ صائم الدھر ہو گئے۔

روزے سے جہاں جسمانی صحت تندرست ہوتی ہے، وہیں اس کے ذریعہ آدمی کی روحانی قوت بھی غیر معمولی بڑھ جاتی ہے اور یہی روزہ کا اصل مقصود بھی ہے۔ اس لیے قوت پرواز میں تیزی کے لیے روزہ سب سے اچھا ذریعہ ہے۔ اس سے انسان عروج حاصل کرتا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کے اندر حیوانی اور ملکوتی دونوں صفات رکھ دی ہیں، لیکن اس سے مطالبہ یہ ہے کہ وہ اپنی ملکوتی

جس طرح مادی اشیاء کے ظاہری و باطنی فوائد ہوتے ہیں، اسی طرح روزوں کے بھی ظاہری و باطنی مقاصد و فوائد ہوتے ہیں۔ ظاہری طور پر روزوں کے طبی فوائد روزمرہ کے مشاہدات میں سامنے آتے ہیں، اگر کوئی شخص روزے رکھے تو اس کے اندر شہوانی قوت مضحک ہونے لگتی ہے، خواہشات اور حرص و ہوا پر کنٹرول ہونے لگتا ہے اور اس طرح سے قوت بہیمیہ سے اوپر اٹھ کر ملکوتی صفات اس پیکر خاکی کے اندر پیدا ہونے لگتی ہے اور وہ اعلیٰ علیین تک پرواز کر جاتا ہے، لیکن اگر وہ اپنی خواہشات نفسانی پر قابو نہیں کرتا تو اسفل سافلین تک جا پہنچتا ہے اور جانوروں اور ریوڑوں سے جا ملتا ہے، الغرض روزہ انسان کو ان چیزوں کی طرف مائل ہونے سے بچاتا ہے جن سے اس پیکر خاکی کی دنیا و آخرت کا نقصان و خسارہ ہے۔ اسی لیے حدیث پاک میں ہے: ”الصيام جنة“ یعنی روزہ ڈھال ہے۔

روزہ جسمانی صحت و عافیت کی حفاظت کے لیے بہترین دوا ہے اور غذا بھی، اکثر امراض کھانے پینے کی زیادتی سے پیدا ہوتے ہیں اور روزہ انسان کے بدن کو بیماریوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ حدیث میں ہے:

”لکل شیء زکوة، زکوة الجسد الصوم“

(ہر چیز کی زکوة ہوتی ہے اور جسم انسانی کی زکوة روزہ ہے۔) اس حدیث شریف سے واضح طور پر اشارہ مل رہا ہے کہ روزہ بدنی صحت اور جسمانی عافیت کا ایک اہم ذریعہ ہے نیز اس ارشاد سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ جس طرح زکوة مال میں اجر و ثواب کا باعث ہوتی ہے، اسی طرح جسمانی زکوة کا بھی فائدہ اور اجر ضرور ملتا ہے خواہ کسی بھی شکل میں ہو۔

محمد بن الیمانی نے چھ باتوں کا سوال چھ جگہوں پر کیا اور ہر جگہ ایک ہی جواب ملا، موصوف مذکور نے اطباء اور ڈاکٹروں سے یہ سوال



سے پہلے یہ سوچنا کہ یہ کام کیسا ہے؟ خدا کو خوش کرنے والا ہے، یا ناراض کرنے والا؟ اور اگر دین کے دائرہ میں دیکھئے تو یہ دیکھنا کہ دین و شریعت کے مطابق ہے کہ نہیں؟ جائز ہے یا ناجائز؟ اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کے مطابق ہے یا نہیں؟ اس کی عادت پڑجانا یہ ہے تقویٰ اور یہ ”لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ“ کا مفہوم ہے۔“

(قرآنی افادت: ۱۸۱/۱)

صبر:

”صبر“ روزہ کا ایک اہم عنوان ہے، حدیث میں آتا ہے کہ ”ہو شهر الصبر“ (رمضان صبر کا مہینہ ہے۔) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ماہ مبارک میں روزوں کا اہتمام صبر کی دولت سے مالا مال کرتا ہے اور صبر کے متعلق اللہ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّمَا يُوقِي الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾

(بلاشبہ صبر کرنے والوں کو بے شمار ثواب سے نوازا جائے گا)

ایک دوسری جگہ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ

﴿اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ﴾

(اللہ کی مدد چاہو صبر اور نماز کے ذریعہ)

اس آیت کی تشریح میں مفسرین نے لکھا ہے کہ نماز کے ساتھ

صبر کے ذریعہ اللہ کی مدد چاہنے کا بہترین ذریعہ روزہ رکھنا ہے۔

شکر:

روزہ کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعہ آدمی کے اندر شکر کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور یہ بھی وہ مقصد ہے جس کی طرف قرآن مجید میں اشارہ موجود ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ نے جن آیات میں روزوں کے احکام کا ذکر کیا ہے، اسی جگہ یہ بات بھی ارشاد ہے:

﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ (شاید کہ تم شکر گزار بن جاؤ)

ان فوائد کے علاوہ روزوں کے ذریعہ آدمی کے اندر اخلاص کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، ذکر الہی کی عادت پڑتی ہے، دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوتی ہے، صفت احسان نصیب ہوتی ہے، زہد کی دولت حاصل ہوتی ہے اور موت کو کثرت سے یاد کرنے کا موقع بھی ملتا ہے۔

صفات کو زیادہ پروان چڑھائے، اسی لیے روزہ کی مشروعیت بھی کی گئی ہے۔ روزہ کا مقصد قوت بہائمہ کو کم کر کے قوت ملکیہ پیدا کرنا ہے، روزہ انسان کے اندر مکمل طور پر ملکوتی صفات کو غلبہ دینا چاہتا ہے۔ ظاہر ہے یہ مقصد بھوک اور کم کھانے سے ہی حاصل کیا جاسکتا ہے، کسی بھی نافرمان اور سرکش حیوان کو مطیع اور فرمان بردار کرنا ہوتو اس کے لیے بہترین نسخہ بھوک اور پیاس ہے، اسی طرح انسان کی قوت بہائمہ کو کمزور کرنے کے لیے کھانا پینا ترک کر کے اللہ تعالیٰ کے احکام کا مطیع بنایا جاتا ہے۔ مفصلاً یہ ہے کہ روزہ انسان کو انسانیت کی تعلیم دینا چاہتا ہے، یہی وجہ تو ہے اگر کوئی جھگڑے پر اتر آئے تو حکم دیا گیا ہے کہ وہ یہ کہے:

”انی امرؤ صائم“ (میں روزہ کی حالت سے ہوں۔)

یہ حکم اسی لیے ہے تاکہ بندہ مومن تمام حیوانی و شیطانی صفات سے دور رہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ روزہ انسان کو قانون کا پابند بناتا ہے، مہذب بناتا ہے اور تمام بے حییت سے دور کرتا اور رکھتا ہے۔ روزہ رکھنے کے بے شمار فوائد و ثمرات ہیں جو کتاب و سنت میں مذکور ہیں، ذیل میں روزے کے چند اہم فوائد و ثمرات ملاحظہ ہوں:

تقویٰ:

روزہ کے مقاصد اور اس کے فوائد و ثمرات میں ”تقویٰ“ کو سب سے امتیازی مقام حاصل ہے۔ روزوں کی فرضیت کا قرآن مجید میں یہی مقصد بیان ہوا ہے کہ

﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو۔)

تقویٰ شعرا لوگوں کے بارے میں ارشاد ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ﴾ (التوبة: ۴)

(بلاشبہ اللہ تعالیٰ متقین کے ساتھ ہے۔)

مولانا علی میاں ندویؒ نے تقویٰ کی دلنشین تشریح کی ہے:

”تقویٰ ایک مستقل صفت کا نام ہے، تقویٰ خوف کا نام ہے، تقویٰ مزاج ہے، ایک ملکہ ہے، تقویٰ ایک طبیعت ہے، تقویٰ کے معنی ہیں؛ لحاظ و شرم کی عادت، پاس و لحاظ کی عادت پڑجانا کہ کرنے



آپا نیکیوں کا موسم بہار



مولانا محمد طارق بدایونی

کے نتیجے میں اس ماہ میں انسان عباداتِ الہی سے شرابور ہو جاتا ہے اور رب العالمین کے خصوصی کرم سے گھر جاتا ہے، رحمتوں کا نزول ہوتا ہے اور سکینت و طمانینت آدمی پر اپنی چادر تان دیتی ہے، دینی و مذہبی انقلاب کا جذبہ سرایت کر جاتا ہے، پھر ہر شخص جنت کے حصول کے لیے رواں دواں ہو جاتا ہے۔ الغرض! اللہ سے لو لگانے، اپنی اصلاح کی فکر کرنے، منہیات سے رکنے کی کوشش اور معروفات کے فروغ کے لیے تگ و دو کرنے اور جلدی جلدی نیکیوں کی کمائی کا یہ الہی آوازہ/اعلان ہے؛ کیوں کہ یہ نیکیوں کا موسم بہار ہے۔

عجب لطف یہ ہے کہ اس مبارک ماہ میں ”شیاطین اپنے باطل طائفوں کے ساتھ زنجیر میں جکڑ دیئے جاتے ہیں“، حسنات کے مواقع خود بخود کھلتے چلے جاتے ہیں، برکتیں اترتی ہیں، ثواب کمانے کے وسائل و ذرائع میں اضافہ ہو جاتا ہے اور قرضِ حسنہ کا ترازو باوزن ہوتا چلا جاتا ہے۔ ضرورت ہے کہ اپنا محاسبہ کیا جائے، اپنی شخصیت کا احتساب ہو، مال و دولت کے مصارف کا جائزہ لیا جائے، مزاج میں گرمی و سردی اور اخلاقیات میں ترقی و انحطاط پر سنجیدگی سے غور کیا جائے۔ مزید یہ کہ اچھائیوں اور برائیوں کی میزان لگائی جائے، گناہوں اور نیکیوں کے پلڑوں پر نظر رکھی جائے۔ اگر گناہوں کا پلڑا بھاری محسوس ہو تو اس ماہ میں خوب نیکیاں کمائیں، توبہ و استغفار کریں اور استحضارِ الہی کی قسم کھائیں، نادم ہو کر آنسو گرائیں اور توبہ نصوح کریں، نو میدی چھوڑ کر جنت کے آرزو مند ہو جائیں۔ اگر نیکیوں کا وزن دار محسوس ہو تو خود کو شکر گزار بندوں میں شامل کرانے کی فکر میں لگ جائیں، نوافل اور اعمالِ صالحہ کو پورے اہتمام سے اختیار کریں، دوسرے پلڑے میں موجود برائیوں کو دھونے کی کوشش کریں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے کئی مواقع پر فرمایا ہے کہ کیا

”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (رضی اللہ عنہ) قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِذَا دَخَلَ رَمَضَانَ فَتُفْتَحُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ - وَفِي رِوَايَةٍ - فَتُفْتَحُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَتُغْلَقُ أَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَتُسَلِّسُ الشَّيَاطِينُ - وَفِي رِوَايَةٍ - فَتُفْتَحُ أَبْوَابُ الرَّحْمَةِ.“ (متفق علیہ)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب ماہ رمضان آتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں (ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں) اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں، شیاطین (اپنے طائفے کے ساتھ) جکڑ دیئے جاتے ہیں (دوسری روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔)

جب رمضان المبارک کا مہینہ آتا تو اللہ کے رسول ﷺ پہلے سے ہی اس کی تیاری میں لگ جاتے اور صحابہ کرامؓ سے دریافت بھی فرماتے کہ تیاری کیسی چل رہی ہے؟ اس کی آمد پر خطبات دیتے، اوائل شعبان ہی سے روزے کثرت سے رکھتے، شعبان کو اپنا اور رمضان کو اللہ کا مہینہ کہتے، کیوں نہ ہو رمضان المبارک تو نیکیوں کا موسم بہار ہے، اس میں ”ابن آدم کے ہر عمل کا ثواب دس گنا سے سات سو گنا تک بڑھا دیا جاتا ہے۔“ جس طرح برسات کے بعد موسم بہار (ربیع) میں ہر چیز پھلنے پھولنے لگتی ہے، درختوں پر ہریالی پورے آب و تاب سے آتی ہے، زمین کا سینہ چیر کر سنہرے پیڑ پودے نمودار ہوتے ہیں، ہر چیز انسانی فطرت کے بہ شمول سدا بہار ہو جاتی ہے، بالکل اسی طرح رمضان المبارک میں بھی انسانی طبیعت خود بخود نیکیوں کی جانب مائل ہوتی ہے، روزوں کا اجتماعی نظم اور روحانیت کا ہمہ گیر ماحول انسانی فطرت کو نیکیوں پر ابھارتا ہے۔ اس



مال پر سال گزر گیا ہو تو زکوٰۃ دیں اور ساتھ ہی اضافی صدقات کا بھی اہتمام کرتے ہوئے غرباء و مساکین کی مدد کریں، اسی طرح دینی اداروں، اکیڈمیوں، مدرسوں اور انسٹی ٹیوٹ وغیرہ پر بھی توجہ دیں، کیونکہ ان کا امت مسلمہ کے عروج میں بڑا اہم کردار ہے اور یہی حلقے خدمتِ دین و بیداری امت کے کام کو سنبھالے ہوئے ہیں؛ یہی تو ”نیکیوں کا موسم بہار“ کے معنی ہیں۔ اسی لیے کہا گیا کہ ”آسمان (یا جنت، یا رحمت) کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔“ یعنی رمضان المبارک کے آنے کے بعد جس راستے سے چاہیں اور جس قدر چاہیں نیکیاں کر سکتے ہیں، جنت کے سارے دروازے ہمارے لیے کھول دیئے گئے ہیں۔ پھر فرمایا گیا: ”جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔“ بتلانا مقصود یہ ہے کہ انسان عام دنوں میں جو گناہ کر لیتا ہے اس کے امکانات کم ہو جاتے ہیں؛ کیوں کہ انسان ہر جانب عبادات میں مشغول لوگوں کو دیکھتا ہے، بالقصد اگر برائی کا ارادہ بھی کرے تو کیسے؟ جس کے ساتھ برا کرنا چاہے تو وہ بھی ایک طرح سے عبادت میں لگا ہوتا ہے۔

الغرض! رمضان المبارک کا مہینہ ہم پر سایہ نکلنے ہونے والا ہے، ہمیں چاہیے کہ ماہ مبارک کی ساعتوں کی قدر کرتے ہوئے ان سے کما حقہ استفادہ کریں اور یہ کوشش کریں کہ یہ ماہ زندگی کے مختلف گوشوں میں خوش گوار تبدیلیوں کا باعث ہو، ساتھ ہی یہ عہد کریں کہ ہم دیگر گیارہ مہینوں میں بھی اپنی زندگی کو رمضان ہی کی طرح بنانے کی کوشش کریں گے؛ تاکہ ماہ رمضان کی یہ انقلابی تبدیلی جنت میں لے جانے کا سبب بنے۔ آمین!

میں شکر گزار بندہ نہ بنوں! اس لیے شکر گزار لوگوں میں شامل ہونے کی فکر بھی ہمہ وقت ہونی چاہیے۔

چوں کہ یہ موسم بہار ہے، نیکیاں کمانے کا مہینہ ہے تو ہمیں چاہیے روزے مکمل رکھیں، ذرا سی سستی، کاہلی اور غیر معقول بہانوں سے حتی الامکان اجتناب کریں۔ ”جو شخص ایمان اور اخلاص سے رمضان المبارک (کے مہینہ) کے روزے رکھے، اُس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور جو رمضان المبارک (کے مہینہ) میں ایمان اور اخلاص سے راتوں کو عبادت کرے تو اُس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور جو شب قدر میں ایمان اور اخلاص کے ساتھ عبادت کرے تو اُس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔“ تراویح کا اہتمام کریں۔ ”جو شخص رمضان میں ایمان اور ثواب کی امید سے قیام کرتا ہے تو اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔“ ”یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ ماہ رمضان میں مؤمن کے لیے دو طرح کے جہاد بالنفس اکٹھے ہو جاتے ہیں: دن میں روزے کے ذریعے جہاد بالنفس اور رات کو قیام کے ذریعے جہاد بالنفس، تو جو شخص ان دونوں کو جمع کر لے تو اسے بے حساب اجر دیا جائے گا۔“ عام دنوں کے مقابلے میں نمازوں کی اس قدر کثرت کی جائے کہ آئندہ (بقیہ گیارہ ماہ) نماز کے عادی بن جائیں، تسبیحات و تلاوت کلام اللہ کو اپنا مشغلہ بنا لیں؛ کیوں کہ اس ماہ کو قرآن مجید سے خاص نسبت حاصل ہے، ”رمضان ہی وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو لوگوں کے لیے ہدایت اور رہنمائی ہے اور فیصلے کی روشن باتوں پر مشتمل ہے۔“ گناہوں سے آخری حد تک دور رہیں،

ماہِ رمضان کی نعمت



حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی

”اللہ کے انعامات میں سے ایک انعام رمضان المبارک کا مہینہ ہے جس میں ایک ایک نیکی کا ستر سے سات سو گنا تک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ثواب عطا فرماتا ہے۔ اس سے نیکی کی ایسی فضا اور ماحول بن جاتا ہے کہ بندہ کے قلب کا میلان شر کی طرف کم سے کم ہو بلکہ خیر کی طرف زیادہ سے زیادہ ہو۔ اسی مبارک مہینے میں روزے جیسے اہم ترین رکن اسلام کو فرض کیا کہ اس کا

دن روزہ کی حالت میں گزارا جائے گا، اس میں روزہ رکھنے کا بدلہ اللہ نے اپنے لیے خاص کیا ہے۔“



رمضان اور احتسابِ نفس



محمد ارمان بدایونی ندوی

گالی گلوچ سے بچنا، غیبت سے رکتنا، شور شرابے سے محتاط رہنا، لڑنے جھگڑنے سے باز رہنا، غریبوں کا خیال کرنا اور ان کے ساتھ ہمدردی سے پیش آنا۔ گویا رمضان المبارک کا مہینہ ہر شخص کو عبدیت کے اعلیٰ معیار تک پہنچانے کا ایک مؤثر اور مفید ذریعہ ہے۔

اللہ رب العزت کا فضل یہ ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو عبدیت کے اعلیٰ معیار تک پہنچنے کے لیے اس ماہ مبارک کو بے شمار برکتوں اور نعمتوں سے بھر دیا ہے، یہ اللہ ہی کا فضل ہے کہ اس مہینے میں سرکش شیاطین قید کر دیے جاتے ہیں اور سلیم الفطرت لوگوں کو اللہ کی طرف مائل ہونا آسان ہو جاتا ہے۔ یہ اسی کا انعام ہے کہ اس نے ہر نیکی کا ثواب عام دنوں کے مقابلے میں اس مہینے کے اندر کئی گنا زیادہ رکھا ہے۔ یہ اسی رب کی بخشش ہے کہ اس نے خاص طور پر اس مہینے کو تین عشروں 'حمت، مغفرت اور جہنم سے آزادی' میں تقسیم کیا تاکہ کوئی بھی بندہ مومن اس کے دررحمت سے خالی نہ چلا جائے۔

اس ماہ مبارک کے اندر ہم میں سے ہر شخص کو اپنا جائزہ لینا چاہیے۔ قانونِ الہی یہ ہے کہ اگر اس کی خاص نعمتوں کی قدر کی جاتی ہے تو وہ مزید نوازتا ہے لیکن اگر خدا نخواستہ ناکدوری کی جاتی ہے تو پھر اس پر اللہ کی گرفت بھی سخت ہوتی ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جس طرح اس رمضان کے اندر برکتیں اور نعمتیں کوٹ کوٹ کر بھری ہیں، کیا ہم صحیح معنی میں ان کی قدر کرتے ہیں یا نہیں؟

اللہ تعالیٰ نے اس مہینہ کو قرآن کے ساتھ خاص کیا ہے، تو کیا اس مہینے میں ہم زیادہ سے زیادہ خلوص نیت کے ساتھ اس کی تلاوت کا اہتمام کرتے ہیں؟ اس کی تعلیمات پر غور کرتے ہیں اور اس سے کچھ درس عبرت بھی حاصل کرتے ہیں؟ نیز اس مہینہ کے بعد بھی قرآن مجید سے اپنا رشتہ مضبوط رکھنے کا عہد کرتے ہیں؟ یا معاذ اللہ اس کے اندر بھی نام و نمود کے خواہاں ہوتے ہیں اور دکھاوے کی نیت

رمضان المبارک کا مہینہ غیر معمولی رفعتوں اور نعمتوں کا حامل ہے۔ اس مہینے کو جن مقدس چیزوں سے نسبت حاصل ہے ان کی بنیاد پر اس کی عظمت میں چار چاند لگ جاتے ہیں۔ قرآن وحدیث کی زبانی یہ مہینہ روزوں کا ہے، قرآن کا ہے، دعا کا ہے، صبر کا ہے، غم خواری کا ہے، ایثار کا ہے اور اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر اس مہینے کی تعلیمات پر غور کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مہینہ بندہ مومن کو کمال عبدیت کے معیار تک پہنچانے میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اللہ رب العزت نے اس مہینے کے اندر یہ طبعی تاثیر رکھی ہے کہ اس میں ہر ایمان والے کو اپنی روحانی ترقی کی فکر ہوتی ہے اور اللہ سے تعلق مضبوط کرنے کی توفیق حاصل ہوتی ہے۔ اس مہینے کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا چاند طلوع ہوتے ہی پوری دنیا کی مسلم سوسائٹی انتہائی درجہ گناہوں سے محتاط ہو جاتی ہے، نیکی کا جذبہ بڑھ جاتا ہے اور عبادات کا ایسا موسم بہار شروع ہو جاتا ہے جو کسی عالمی جشن سے کم نہیں ہوتا۔

روزے ایک طرف انسان کے لیے ذاتی طور پر کسی نعمت سے کم نہیں کہ ان کے ذریعہ آدمی کو روحانیت کی غیر معمولی قوت حاصل ہوتی ہے نیز یہ روزے انسان کی جسمانی صحت کے تحفظ کا بھی بہت بڑا ذریعہ ہیں، جس کا اعتراف موجودہ میڈیکل سائنس کو بھی ہے۔

روزے کے متعلق کتاب وسنت کی تعلیمات سے پتہ چلتا ہے کہ درحقیقت یہ روزہ ایک ریہرسل ہے جس کے ذریعہ سے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کا مزاج بنایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روزے کے بہت سے مستحب اعمال وہ ہیں جن کا تعلق محض پروردگار سے ہے مثلاً: قرآن کی تلاوت، دعاؤں کا اہتمام، ذکر کی کثرت، نوافل کی پابندی، محرّمات اور معاصی سے مکمل اجتناب۔ اسی طرح بہت سے اعمال ایسے بھی ہیں جن کا تعلق انسانی سماج سے ہے مثلاً:



اس زندگی کا فائدہ یہ ارشاد ہوا ہے کہ اللہ رب العزت اس کے نتیجے میں بندہ مومن کو ایک روشنی دیتا ہے جس کی روشنی میں وہ ہمیشہ چلتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کو شان امتیازی عطا فرماتا ہے۔ اس شان امتیازی کا فائدہ یہ ہے کہ صاحب ایمان دنیا میں جہاں کہیں بھی رہے گا اور جائے گا تو وہ دور سے پہچان لیا جائے گا کہ یہ مسلمان ہے اور یہ روئے زمین کا سب سے شریف اور خدا ترس انسان ہے۔

رمضان المبارک کے مہینے میں بڑی حد تک ہر مسلمان اللہ کی مرضیات پر چلنے کی کوشش کرتا ہے اور اللہ کے حکم کی بنیاد پر ایک عرصہ کے لیے حلال و طیب چیزیں بھی چھوڑ دیتا ہے، ظاہر ہے یہ تقویٰ کا مزاج بنانے کی ایک کامیاب شکل ہے، لیکن غور کیجیے کہ اس ظاہری اور کامیاب شکل پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو کیسی غیر معمولی شان امتیازی انسانی سماج کے اندر حاصل ہوتی ہے۔ تجربہ سے یہ بات ثابت ہے کہ سفروں کے اندر برادران وطن روزے داروں کے ساتھ ہمدردی کا رویہ اپناتے ہیں، بازاروں اور منڈیوں میں بھی انہیں عظمت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، بلکہ بعض جگہوں سے یہ خبریں بھی آئیں کہ جن جگہوں پر مساجد کے لاؤڈ اسپیکر ہٹا دیے گئے تھے وہاں یہ کہہ کر انتظامیہ نے اجازت دی کہ ابھی ماہ رمضان میں اس کی اجازت دینا ضروری ہے۔ ظاہر بات ہے یہ سب خصوصی امتیازات اسی لیے حاصل ہوئے کہ مسلمانوں نے کسی قدر تقویٰ کی زندگی کا اہتمام کیا اور اس کے نتیجے میں اللہ نے شان امتیازی عطا فرمائی۔ ٹھیک اسی طرح اگر ہم سب اپنی زندگی کو تقویٰ کے مزاج میں ڈھال لیں تو یقینی بات ہے کہ انشاء اللہ حالات میں تبدیلی آئے گی اور ہمارے طرز زندگی سے غیروں پر وہی اثر پڑے گا جو اثر رمضان میں پڑتا ہے۔ ہمارے دشمن اس اعتراف پر مجبور ہوں گے کہ ان کے لیے دینی شعائر پر عمل کرنا اس سے کہیں زیادہ ضروری ہے جتنا مچھلی کے لیے پانی کے اندر رہنا۔ اگر ہم اس رمضان میں اپنا محاسبہ کر کے یہ عہد کر لیں تو کیا بعید ہے کہ ہلال عید ہمارے لیے صبح امید بن کر طلوع ہو، جس کا تاریخ میں دسیوں بار مشاہدہ کیا جا چکا ہے۔

کے ساتھ تلاوت قرآن وغیرہ کا رسمی اہتمام کر لیتے ہیں، بلکہ اب تو حد یہ ہے کہ بعض مسلمان بھائی سوشل میڈیا پر محض دینی و قرآنی پوسٹ شیئر کرنے ہی کو بہت بڑی عبادت تصور کر لیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس مہینے کو صبر کے ساتھ مخصوص کیا ہے، غور کا مقام ہے کہ اس مہینے میں کتنے لوگ ہیں جو صبر کے معنی و مفہوم سے آشنا ہوتے ہیں اور صبر کا مزاج بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

اللہ رب العزت نے اس مہینے کو ایثار کے ساتھ خاص کیا ہے، سوچنے کی بات ہے کہ کتنے لوگ اس مہینے میں ایثار کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں اور کتنے لوگ زکوٰۃ یا صدقات نکالنے کا محض رضائے الہی کی نیت سے اہتمام کرتے ہیں اور اپنے پڑوس میں بھوکے اور محتاج لوگوں کی فکر کرتے ہیں۔ خدا معاف کرے؛ اس زمانہ میں لوگوں نے ایثار کا مفہوم افراط پارٹیوں کی کثرت اور ان کے دسترخوانوں میں وسعت کو سمجھ لیا ہے، جن کے اندر عموماً خلوص سے زیادہ دیگر مقاصد کی تکمیل کی نیت شامل ہوتی ہے۔ یاد رہے اللہ رب العزت کے یہاں رمضان المبارک کی تمام عبادتوں اور خیر کے تمام کاموں میں ”ایمان“ اور ”ثواب کی امید“ کا جذبہ بطور خاص شرط ہے۔

ظاہر بات ہے اللہ تعالیٰ نے اس مبارک مہینے کو جن خصوصیات کا حامل بنایا ہے اگر ہم نے ان کی قدر نہ کی تو پھر یہ مہینہ ہمارے لیے باعثِ رحمت ہونے کے بجائے ہمارے خلاف حجت ثابت ہوگا اور اس کے نتیجے میں اس مہینے کا جو اثر ہمارے اوپر دکھنا چاہیے وہ نظر نہیں آئے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر سال ماہ رمضان آتا ہے اور چلا جاتا ہے مگر مسلمانوں کی اکثر آبادیوں میں کوئی بڑی اصلاحی و روحانی تبدیلی نظر نہیں آتی اور عید کا چاند دکھنے کے بعد بڑی حد تک یہ پتہ کرنا مشکل ہوتا ہے کہ مسلمانوں اور غیروں میں کیا فرق ہے؟

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں روزہ کی فرضیت کا ایک بنیادی مقصد ”تقویٰ“ بتایا ہے یعنی آدمی کے اندر احتیاط کا مزاج پیدا ہو جائے، وہ ہر عمل سے پہلے اس کی حلت و حرمت کے متعلق سوچے اور ہر عمل کو رضائے الہی کی نیت سے کرنے والا بن جائے۔ دوسری جگہ تقویٰ کی



مکروہ ہے۔

رمضان کے مہینہ میں اگر کسی کا روزہ کسی وجہ سے ٹوٹ جائے تب بھی اس پر واجب ہے کہ رمضان کے احترام میں دن میں روزہ دار کی طرح کھانے پینے سے احتراز کرے۔



روزہ کے مختلف مسائل



سحری و نیت

روزے چاہے رمضان کے ہوں، چاہے کسی اور چیز کے بہرہ حال ان کے لیے سحری کھانا سنت ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: ”سحری کھایا کرو، اس لیے کہ سحری کھانے میں برکت ہے۔“ (متفق علیہ)۔ ایک دوسری حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں میں فرق اور امتیاز سحری کھانے کا ہے (کہ ہم کھاتے ہیں، وہ نہیں کھاتے)۔ (مسلم)

رہی نیت تو اس کے بغیر روزہ نہیں ہوگا، چنانچہ اگر ایک شخص صبح سے شام تک ان تمام چیزوں سے احتراز کرے جن سے روزہ دار احتراز کرتا ہے لیکن اس کی نیت روزہ رکھنے کی نہ ہو تو اس کا روزہ نہیں ہوگا، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو فجر سے پہلے ہی نیت نہ کرے اس کا روزہ نہیں ہوگا۔ (ترمذی)

بعض دوسری احادیث کے پیش نظر فقہاء نے فرمایا کہ زوال سے ایک گھنٹہ پہلے نیت کر لے بشرطیکہ کچھ کھایا پیانا نہ ہو تو رمضان اور نفلی روزہ رکھنا درست ہوگا، اور نیت کا محل چونکہ دل ہوتا ہے لہذا صرف دل میں یہ ارادہ کر لینا کافی ہے کہ کون سا روزہ رکھ رہا ہوں، زبان سے کہنا ضروری نہیں ہے، البتہ بہتر یہی ہے کہ زبان سے بھی کہہ دے۔

جن چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے

بھول کر کھانے پینے، سر میں تیل لگانے، عطر لگانے اور نہانے دھونے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے، اگر دن میں سو جائے اور احتلام ہو جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا ہے، اسی طرح دن میں انجکشن لگوانے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ فوری ضرورت نہ ہو تو افطار کے بعد انجکشن لگوائے، مسواک خواہ تازی اور ہری ہو یا چاہے خشک ہو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے، البتہ منجن وغیرہ کرنا مکروہ ہے اور اگر منجن حلق سے نیچے اتر جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اگر زبان سے کوئی چیز چکھ کر تھوک دے تو روزہ نہیں ٹوٹتا، البتہ بلا ضرورت ایسا کرنا

قضا و کفارہ واجب ہونے کی صورتیں

روزے کو فاسد کرنے والی چیزیں دو طرح کی ہیں، بعض وہ ہیں جن سے قضا بھی لازم ہوتی ہے اور کفارہ بھی لازم ہوتا ہے، اور یہ چیزیں تین ہیں:

۱- میاں بیوی کا مخصوص تعلق کرنا، خواہ مادہ خارج ہو یا نا ہو دونوں شکلوں میں روزہ ٹوٹ جائے گا اور کفارہ لازم ہوگا، اگر یہ عمل عورت کی رضامندی سے ہوا تو اس پر بھی کفارہ لازم ہوگا، اور اگر اس کی رضامندی نہیں تھی شوہر نے یہ عمل زبردستی کیا تو عورت پر صرف قضا لازم ہوگی، اگر ابتداء میں اسے مجبور کیا گیا ہو اور بعد میں اس کی رضامندی ہوگئی ہو تب بھی اس پر صرف قضا لازم ہوگی۔

۲- جان بوجھ کر کسی ایسی چیز کا کھانا جس کو بطور غذا یا دوا استعمال کیا جاتا ہے، جیسے روٹی چاول شربت یا کسی دوا کا استعمال کرنا۔ اس کے برخلاف اگر بھولے سے یہ اعمال انجام دے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا اور اگر کوئی ایسی چیز کھائے جسے غذا یا دوا کے طور پر کھایا نہیں جاتا ہے تو روزہ ٹوٹ جائے گا لیکن صرف قضا لازم ہوگی کفارہ لازم نہیں ہوگا، مثلاً کوئی کنکری یا لوہے کا ٹکڑا کھالے۔

ان تین چیزوں سے کفارہ واجب ہونے کا ذکر اشارۃً یا صراحتاً حضرت ابو ہریرہؓ کی اس حدیث میں آیا ہے، فرماتے ہیں کہ ہم سب آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک بدو حاضر خدمت ہوئے اور کہا اے اللہ کے رسول! میں تباہ ہو گیا؛ آپ ﷺ نے پوچھا، کیا ہوا؟ اس نے کہا کہ میں نے (رمضان کے) روزہ کی حالت میں بیوی سے جماع کر لیا۔ آپ نے پوچھا، کیا آزاد کرنے کے لیے تمہارے پاس غلام ہے؟ اس نے کہا، نہیں؛ آپ نے فرمایا، تو کیا دو مہینے مسلسل روزہ رکھ سکتے ہو؟ اس نے کہا، نہیں؛ آپ نے فرمایا، اتنا مال ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھلا سکوں؟ اس نے کہا، نہیں (بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ جماع سے قضا و کفارہ دونوں لازم ہوں گے، اور اشارۃً یہ بھی معلوم ہوا کہ چونکہ کھانا پینا بھی اسی کے درجہ میں



روزہ نہیں ٹوٹتا ہے، اور غلطی سے کھانا الگ چیز ہے اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضاء لازم ہو جاتی ہے۔

۲- اگر کوئی ایسی چیز کھائی یا پی جس کو بطور دوا یا غذا نہیں کھایا یا پیا جاتا ہے جیسے کنکری وغیرہ۔

۳- دانتوں میں کوئی چیز اٹکی ہوئی تھی اگر وہ چنے کے برابر یا اس سے بڑی تھی تو اس کو نکلنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضاء ہوگی اور اگر چنے سے چھوٹی تھی تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، لیکن یہ اس وقت ہے جب منہ سے نہ نکالا ہو اگر نکال کے کھائے تو چیز چھوٹی ہو یا بڑی روزہ ٹوٹ جائے گا۔

۴- اگر حقنہ لگایا، یا ناک کے اندرونی حصہ میں دوا ڈالی، یا کان میں تیل یا کوئی دوا ڈالی، یا عورت نے اپنے مخصوص شرم گاہ میں دوا ڈالی تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور صرف قضاء لازم ہوگی، لیکن اگر آنکھ میں دوا ڈالی یا سرمہ لگایا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، اسی طرح اگر کان میں پانی ڈالا تب بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

۵- اگر اگر بتی یا لوبان سلگائی پھر اس کو سونگھا اور دُھواں اندر چلا گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اسی طرح سگریٹ بیڑی وغیرہ سے بدرجہ اولیٰ روزہ ٹوٹ جائے گا۔

۶- قے کے بارے میں لوگوں میں عام طور سے یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ چاہے جس طرح کی بھی قے ہو روزہ ٹوٹ جائے گا، حالانکہ اس کے بارے میں کچھ تفصیل ہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس کو روزہ کی حالت میں خود سے قے ہو جائے اس پر قضاء نہیں ہے اور جو جان بوجھ کر قے کرے اس پر قضاء لازم ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی) اس حدیث کی بنیاد پر فقہاء نے فرمایا کہ قے کی کئی حالتیں ہو سکتی ہیں لیکن روزہ صرف دو حالتیں میں ٹوٹے گا: (۱) ایک تو یہ کہ منہ بھر کے قے ہو اور روزہ دار اس کو نگل جائے۔ (۲) عمد آمنہ بھر کے قے کرے، باقی کوئی صورت مفسد صوم نہیں ہے۔

پان تمباکو اور سیگریٹ بیڑی کا حکم

اسی حکم میں پان تمباکو اور سیگریٹ وغیرہ بھی ہیں، پان تمباکو کی پیک اگر کوئی نگل لیتا ہے تو بالکل واضح بات ہے کہ اس نے ایک چیز حلق کے نیچے اتار لی، لہذا اس سے روزے کے چلے جانے میں

ہے لہذا اس کا بھی یہی حکم ہوگا، ساتھ ہی کفارہ کی ترتیب بھی معلوم ہوئی کہ پہلے نمبر پر غلام آزاد کرنا ہے، نہ کر سکے جیسا کہ موجودہ دور میں غلامی کا خاتمہ ہو جانے کے سبب کسی کے لیے بھی یہ شکل ممکن نہیں ہے تو دو مہینے گئے گا، حالانکہ اس کے بارے میں کچھ تفصیل ہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس کو روزہ کی حالت میں خود سے قے ہو جائے اس پر قضاء نہیں ہے اور جو جان بوجھ کر قے کرے اس پر قضاء لازم ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی) اس حدیث کی بنیاد پر فقہاء نے فرمایا کہ قے کی کئی حالتیں ہو سکتی ہیں لیکن روزہ صرف دو حالتیں میں ٹوٹے گا: (۱) ایک مسلسل روزے رکھے، اگر ان روزوں کے درمیان رمضان آگیا یا ایام تشریق آگئے تو مسلسل ٹوٹ جائے گا، اور ابتداء سے روزے رکھنے پڑیں گے، یہی حکم اس وقت بھی ہوگا جب بیمار ہو جائے یا عورت نفاس کی حالت میں ہو جائے، تسلسل اس سے بھی ٹوٹ جائے گا، البتہ اگر درمیان میں عورت کو حیض پیش آجائے تو وہ روزے رکھنا بند کر دے، پھر حیض رک جائے تو جتنے روزے باقی رہ گئے تھے صرف وہی رکھ لے پھر سے رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اور اگر کسی کو روزہ رکھنے کی بھی طاقت نہیں ہے تو ساٹھ (۶۰) مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے، یا ہر مسکین کو صدقہ فطر کے بقدر غلہ دے یعنی نصف صاع (۱/۲ کلو ۶ سو ۳۳ گرام) گیہوں یا ایک کیلو جو یا کھجور یا ان چیزوں کے قیمت کے بقدر کوئی دوسری چیز یا نقد روپے دے، اگر اس طرح کرنے کے بجائے کسی ایک مسکین کو ساٹھ دن تک دو وقت کھانا کھلا دے تب بھی کفارہ ادا ہو جائے گا۔

قضا واجب ہونے کی صورتیں

وہ ہے جس سے صرف قضاء لازم ہوتی ہے، کفارہ لازم نہیں ہوتا، یہ چیزیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱- اگر کسی کو کھانے پر جان و مال کی دھمکی دے کر مجبور کیا گیا، اور اس نے خوف سے کھالیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا، لیکن صرف قضاء لازم ہوگی، یہی حکم اس وقت ہوگا جب غلطی سے کچھ کھاپی لے، یعنی روزہ یاد تھا کھانے یا پینے کا ارادہ نہیں تھا لیکن کھانے پینے کی چیز حلق سے نیچے اتر گئی، اس طرح بھولے سے کھانا الگ چیز ہے اس سے



جاتی ہے، روزہ کی حالت میں اس طرح آکسیجن لینے کا کیا حکم ہوگا؟ فقہی جزئیات کو سامنے رکھا جائے تو خیال ہوتا ہے کہ اگر آکسیجن کے ساتھ کوئی دوا نہ ہو تو روزہ فاسد نہ ہونا چاہیے کیونکہ یہ سانس لینا ہے اور سانس کے ذریعہ ہوا لینا نہ مفسد صوم ہے اور نہ اس پر اکل و شرب کا اطلاق ہوتا ہے، اگر اس کے ساتھ دوا کے اجزاء بھی ہوں تو پھر اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا (جدید فقہی مسائل: ۱/۱۸۸)

جہاں تک دمہ ہی کے مریض کے لیے انہیلر کے استعمال کا تعلق ہے تو چونکہ اس میں دوا ملی ہوئی ہوتی ہے لہذا اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

انجیکشن اور ڈرپ لگوانے کا حکم

جمہور علماء کی رائے یہی ہے کہ انجیکشن خواہ کسی بھی قسم کا ہو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا خواہ رگ میں لگایا جائے یا گوشت میں، یہی حکم ڈرپ لگوانے کا بھی ہے، لیکن بغیر کسی عذر کے بہتر یہی ہے کہ دن میں نہ لگوائے، رات میں لگوائے، ضرورت ہو تو دن میں بھی لگوا سکتا ہے، لیکن صرف اس مقصد سے ڈرپ لگوانا کہ بدن میں طاقت آجائے اور پیاس میں کمی ہو جائے مکروہ ہے۔

زبان کے نیچے دوا رکھنے کا حکم

فقہاء نے بلا عذر کسی چیز کو منہ میں رکھنے اور چکھنے کو مکروہ قرار دیا ہے، البتہ یہ وضاحت کی ہے کہ اگر کسی عذر سے ایسا کرے تو کراہت نہیں ہوگی، عذر کی مثال میں فقہاء نے لکھا ہے کہ شوہر اگر بد اخلاق اور سخت مزاج والا ہو تو اس کی بیوی کے لیے نمک وغیرہ کا پتہ لگانے کے لیے چکھنا جائز ہوگا۔ لیکن ساتھ ہی فقہاء نے یہ صراحت بھی کی ہے کہ اگر کوئی ایسی چیز منہ میں رکھی اور چبائی جس کا حلق کے نیچے اتر جانا ظن غالب کے درجہ میں ہے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اس کی مثال میں فقہاء نے بعض گوندوں کا نام لیا ہے، غالباً اسی وجہ سے ہمارے علماء نے پان تمباکو وغیرہ منہ میں رکھنے کو مفسد صوم قرار دیا ہے، اس لیے کہ اس کے اثرات واضح طور پر حلق کے نیچے جاتے ہیں اور تمباکو کی طلب پوری ہو جاتی ہے۔

اس تفصیل کے بعد ہم آسانی سے فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ”انجانا“ کے مریضوں کے لیے Angised کا استعمال اس ضرورت سے کہیں بڑھ کر ہے جس کے تحت بیوی کو نمک چکھنے کی

کوئی شبہ کی بات ہی نہیں ہے، لیکن بعض لوگ پیک نکلے نہیں ہیں صرف پان یا تمباکو چبا کر اس کو تھوک دیتے ہیں، اس سے بعض حضرات کو شبہ ہوتا ہے کہ اس سے شاید روزہ نہ ٹوٹے اس لیے کہ فقہاء نے فرمایا ہے کہ کسی چیز کے چبانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اور اس شکل میں صرف ایک چیز کو چبایا گیا کھایا نہیں گیا، لیکن یہ شبہ درست نہیں ہے، اس لیے کہ کھانے پینے کو مفسد صوم قرار دیا گیا ہے، اور ان چیزوں کے چبانے کو بھی کھانا کہتے ہیں، پھر کچھ اجزاء بہر حال حلق کے نیچے اترتے ہیں، ساتھ ہی اس کے عادی لوگوں کو اس میں خاص لذت ملتی ہے، لہذا نہ صرف یہ کہ ان سے روزہ ٹوٹ جائے گا، بلکہ اگر ان چیزوں کو جان بوجھ کر استعمال کیا گیا تو کفارہ بھی لازم ہوگا، اسی حکم میں گل سے دانت مانجھنے کا بھی حکم ہوگا، اس لیے کہ اس میں بھی خاص لذت ملتی ہے، اور کچھ اجزاء کے حلق کے نیچے اتر جانے کا قوی امکان رہتا ہے۔

جہاں تک بیڑی سیگریٹ وغیرہ کا تعلق ہے تو اس میں جان بوجھ کر دھواں اندر لیا جاتا ہے اور جان بوجھ کر دھواں اندر لینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، لہذا ان تمام چیزوں سے پرہیز ضروری ہے۔

منجن اور ٹوتھ پیسٹ کا حکم

آنحضرت ﷺ نے مسواک کی بڑی تاکید فرمائی ہے، اس اعتبار سے فقہاء نے رمضان میں بھی مسواک کرنے کی اجازت دی ہے، چاہے مسواک کی لکڑی سوکھی ہو یا گیلی، لیکن اگر مسواک کی تری یا اس کی لکڑی حلق کے نیچے اتر جائے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے لہذا روزہ کی حالت میں مسواک کرتے ہوئے اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ مسواک کی تری یا لکڑی کا کوئی حصہ حلق سے نیچے نہ اترنے پائے۔

جہاں تک منجن اور ٹوتھ پیسٹ وغیرہ کا تعلق ہے تو ان کا حکم مسواک کے حکم سے الگ ہے، اس لیے کہ ان میں ذائقہ بہت بڑھا ہوا ہوتا ہے، لہذا جس طرح فقہاء نے فرمایا کہ کسی عذر کے بغیر کسی چیز کا چبانا مکروہ ہے اسی طرح ان سب چیزوں کا بھی حکم ہوگا، البتہ کسی خاص عذر سے اگر ان چیزوں سے دانت مانجھ لے تو انشاء اللہ کراہت نہیں ہوگی۔

آکسیجن کا حکم

دمہ کے سخت مریض کو دورہ پڑنے کے وقت آکسیجن پہنچانی



صراحت کی ہے کہ اگر دوا موضعِ حقنہ تک نہ پہنچے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ بوا سیری مسوں پر کوئی دوا یا مرہم لگانے سے یا ان کو پانی سے تر کر کے چڑھانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، اس لیے کہ واقف کاروں کا کہنا ہے کہ بوا سیری مسے موضعِ حقنہ سے کافی نیچے ہوتے ہیں۔

تحقیق مرض کے لیے آلات کا استعمال

اگر امراض کی تحقیق کے لیے کچھلی شرم گاہ میں کسی آلہ سے مدد لی جائے تو اگر یہ آلات خشک ہیں اور ان کا ایک سرا باہر ہے جیسا کہ عام طور سے ہوتا ہے تو ان آلات کے اندر داخل کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، لیکن اگر آلہ پر کوئی تیل یا گریس جیسی چیز لگا کر اس کو داخل کیا گیا ہے تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

یہی حکم عورت کی اگلی شرم گاہ میں تحقیق کے لیے کسی آلہ کے داخل کرنے کا بھی ہے۔

رحم تک آلات پہنچانا

رحم کی صفائی کے لیے اور فمِ رحم کو کشادہ کرنے کے لیے جو آلات (Dilators) استعمال کیے جاتے ہیں، اور اندرونی رحم کھرچنے کا آلہ (Curette) اگر ان پر کوئی تیل وغیرہ لگا کر ان کو داخل کیا گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اور اگر ان کو خشک داخل کیا گیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

لیکن اگر خشک داخل کر کے اور ایک مرتبہ باہر نکال کر دوبارہ صاف کیے بغیر ان کو پھر داخل کیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

عورت کا شرمگاہ میں دوا کا رکھنا

اگر اندرونی حصہ میں دوا رکھی جائے، یا رکھی اور پری حصہ میں جائے لیکن وہ اندرونی حصہ تک پہنچ جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، خواہ دوا خشک ہو یا تر ہو۔

مٹانہ تک نلکی پہنچانا

اگر مرد کے مٹانہ تک نلکی پہنچائی جائے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، خواہ نلکی خشک ہو یا تر، اس سے دوا پہنچائی جائے یا نہیں، اور اگر عورت کے مٹانہ میں نلکی پہنچائی تو اگر نلکی تر ہے یا اس سے دوا پہنچائی گئی تو روزہ ٹوٹ جائے گا، لیکن اگر نلکی خشک ہو اور اس سے دوا بھی نہ پہنچائی جائے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

اجازت دی گئی ہے، اور سوال صرف یہ رہ جاتا ہے کہ یہ دوا حلق کے نیچے تو نہیں اترتی؟ اگر احتیاط کے باوجود دوا کے ذرات مخصوص گوند کی طرح حلق کے نیچے اتر جاتے ہوں تو اس کے منہ میں رکھنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا، اور زبان کے نیچے رکھنے کے بعد افاقہ ہو جانے سے لگتا ہے کہ بظاہر یہی بات ہے، لیکن ماہرین کی رائے ہے کہ ایسا نہیں ہے، اسی کے پیش نظر کہا جاسکتا ہے کہ جہاں تک ہو سکے روزہ دار اس گولی کا استعمال نہ کرے، لیکن اس کے استعمال سے روزہ اسی وقت فاسد ہوگا جب دوا ملا ہو لعلاب حلق کے نیچے اتر جائے، صرف زبان کے نیچے گولی رکھنا مفسدِ صوم نہیں ہوگا۔

انہیلر کے استعمال کا حکم

جن لوگوں کو تنفس اور دمہ وغیرہ کی شکایت ہوتی ہے ان کو انہیلر (Inhaler) کے ذریعہ دوا کا استعمال کرنا پڑتا ہے، اس کے ذریعہ سفوف کا نہایت مختصر جزء پھیپھڑے تک پہنچایا جاتا ہے، فقہاء کے نزدیک اس طریقہ علاج کے ذریعہ دوا کے استعمال سے روزہ ٹوٹ جائے گا، اس لیے کہ فقہی جزئیات سے صاف طور پر ظاہر ہو رہا ہے کہ منافذِ اصلیہ سے جب کسی چیز کو داخل کیا جا رہا ہو تو محض ادخال سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اور انہیلر کے استعمال سے بہر حال ادخال ہوتا ہے خواہ دوا کی مقدار معمولی ہی کیوں نہ ہو۔

بھاپ کی شکل میں دوا کا استعمال

نمونہ اور بعض دوسرے امراض میں بھاپ کے ذریعہ بھی دوا استعمال کی جاتی ہے، یہ استعمال کبھی دوا کو پانی میں ڈال کر اور پانی کو کھولا کر اس کی بھاپ منہ اور ناک سے لے کر کیا جاتا ہے، اور کبھی یہ عمل بعض آلات کے ذریعہ کیا جاتا ہے، بہر حال بھاپ خواہ کسی آلہ کی مدد سے اندر لے جائے یا سادہ طریقہ سے، دونوں صورتوں میں روزہ ٹوٹ جائے گا، اس لیے کہ فقہاء نے صراحت کی ہے کہ عمداً دھواں حلق کے نیچے اتارنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اور یہ بات اس میں مکمل طور سے پائی جاتی ہے۔

بوا سیری مسوں پر مرہم کا حکم

اگر پیچھے کے راستہ سے کسی دوا کا استعمال کیا جائے اور دوا موضعِ حقنہ تک پہنچ جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اس لیے کہ فقہاء نے اس کو بھی منافذِ اصلیہ میں شمار کیا ہے، البتہ فقہاء نے



اعتکاف

چند ضروری مسائل



اور زیادہ وقت کے لیے بھی اور اس طرح بھی نیت کی جاسکتی ہے کہ مسجد میں رہنے تک اعتکاف کی نیت کرتا ہوں پھر مسجد سے نکلنے ہی اعتکاف ختم ہو جائے گا اور جب تک مسجد میں رہے گا اعتکاف کا ثواب ملتا رہے گا، اگر نیت زیادہ وقت اعتکاف نفل کی کی تھی اور اس وقت کے پورا ہونے سے پہلے نکلنا چاہتا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

(شامی: ۱۴۲/۲، ہندیہ: ۲۱۱/۱)

اعتکاف سنت مؤکدہ: یہ اعتکاف آپ ﷺ

پابندی سے ہر سال رمضان کے آخری عشرہ میں کیا کرتے تھے، جس سال آپ ﷺ کی وفات ہوئی اس سال آپ ﷺ نے ۲۰ دن کا اعتکاف کیا تھا، چنانچہ بخاری میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے: ”ہر سال آنحضرت ﷺ دس دن کا اعتکاف کیا کرتے تھے اور جس سال آپ کا وصال ہوا اس سال آپ نے بیس دن کا اعتکاف کیا۔“

رمضان کے اخیر عشرہ میں مردوں پر یہ اعتکاف ایسی مسجد میں کرنا سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے جس کے امام اور مؤذن ہوں خواہ اس میں پانچوں وقت کی نماز نہ ہوتی ہو۔ (شامی: ۱۴۰/۲)

سنت علی الکفایہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر بستی کے کسی ایک شخص نے بھی اعتکاف کر لیا تو پوری بستی والوں کی طرف سے کافی سمجھا جائے گا اور سنت کی ادائیگی ہو جائے گی اور کسی نے بھی نہ کیا تو سب تارک سنت ہوں گے۔ (شامی: ۱۴۱/۲)

اعتکاف کی شرطیں: واجب اور مسنون اعتکاف

اسی وقت صحیح ہوگا جب مندرجہ ذیل شرطیں پوری ہو رہی ہوں:

۱- اعتکاف کی نیت ہونا، بغیر نیت کے ٹھہرنے کو اعتکاف نہیں مانا جائے گا۔

۲- اعتکاف کا مسجد جماعت میں ہونا، ویران مسجد میں اعتکاف معتبر نہیں ہوگا، البتہ عورت گھر میں اعتکاف کر سکتی ہے۔

۳- معتکف کا روزہ دار ہونا، بغیر روزہ رکھے واجب اور مسنون اعتکاف معتبر نہیں ہوگا۔

۴- معتکف کا جنابت اور معتکفہ کا حیض و نفاس سے پاک ہونا۔

۵- معتکف کا عاقل ہونا، لہذا پاگل کا اعتکاف معتبر نہیں ہوگا،

البتہ اس کی شرائط میں بلوغ نہیں ہے، لہذا اگر سمجھدار بچہ اعتکاف

اعتکاف کے لفظی معنی: ”کَبِتَ“ یعنی ٹھہرنے

اور کسی چیز کو لازم پکڑنے کے ہیں اور چونکہ اعتکاف کرنے والا اللہ کے تقرب کی نیت سے مسجد میں ٹھہر جاتا ہے اور مسجد کا لزوم اختیار کرتا ہے لہذا اس عمل کو اعتکاف کہا جاتا ہے۔

اعتکاف کی قسمیں: اعتکاف کی شریعت میں تین

قسمیں ہیں: اعتکاف واجب، اعتکاف سنت مؤکدہ اور اعتکاف نفل۔

اعتکاف واجب: یہ اعتکاف نذر کرنے سے واجب ہوتا

ہے، مثلاً کوئی شخص کہے کہ میرے اوپر اتنے دن کا اعتکاف ہے، اس طرح کہہ دینے سے اتنے دنوں کا اعتکاف واجب ہو جائے گا، یا معلق کر کے اس طرح کہے کہ میں مقدمہ جیت گیا، یا بیماری سے شفا یاب ہو گیا تو اتنے دن کا اعتکاف کروں گا تو اگر اللہ کے فضل سے وہ کام ہو جائے تو متعینہ دنوں کا اعتکاف واجب ہوگا۔ (شامی: ۴۱/۲)

اس اعتکاف کے لیے روزہ شرط ہے، خواہ نذر کرتے وقت

روزہ رکھنے کی نیت نہ کی ہو، اس لیے کہ ابو داؤد میں حضرت عائشہ

سے روایت ہے کہ ”ولا اعتکاف الا بصوم“ (روزہ کے بغیر

اعتکاف نہیں ہو سکتا) یہی وجہ ہے کہ اگر صرف رات کے اعتکاف کی

نیت کرے تو صحیح نہیں ہوگا۔ (شامی: ۱۴۱/۲)

اس کے وجوب کی دلیل بخاری میں آنے والی آنحضرت

ﷺ کی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جو اللہ تعالیٰ کی

اطاعت کرنے کی نذر مانے اسے اطاعت کرنا چاہیے“ اور بخاری ہی

میں ایک دوسری روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے عرض کیا: ”اے اللہ

کے رسول! میں نے نذر مانی ہے کہ مسجد میں ایک رات اعتکاف

کروں“ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”اپنی نذر پوری کرو۔“

نفلی اعتکاف: جہاں تک نفلی اعتکاف کا تعلق ہے تو اس

کے لیے روزہ شرط نہیں ہے اور یہ کم وقت کے لیے بھی کیا جاسکتا ہے



لگے یا جان کا خطرہ ہو تو اس مسجد سے نکل کر دوسری مسجد میں جا سکتا ہے، اس سے اعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔ (فتاویٰ ہندیہ: ۲۱۲/۱)

جمعہ پڑھنے کے لیے جانا: اگر ایسی مسجد میں اعتکاف کیا جہاں جمعہ کی نماز نہیں ہوتی ہے تو جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے جمعہ مسجد جا سکتا ہے، لیکن ایسے وقت میں نکلنا چاہیے کہ جمعہ مسجد میں پہنچنے کے بعد پہلے کی سنتیں پڑھ سکے اور بعد میں سنتیں پڑھ کر واپس آجائے، وہاں دیر تک ٹھہرنا خلاف اولیٰ ہے، لیکن اس سے اعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔ (شامی: ۱۴۳/۲)

اگر مریض کی عیادت، جنازہ میں شرکت یا علاج و معالجہ کی ضرورت کے لیے نکلے تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا، البتہ اگر استنجاء کے لیے نکلے تو اعتکاف فاسد نہیں ہوگا، لیکن اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ (ہندیہ: ۱۲۱/۱)

بیڑی وغیرہ کا عادی شخص استنجاء وغیرہ کے لیے باہر نکلنے کے وقت ضرورت پوری کر سکتا ہے، خاص اسی کے لیے باہر نہیں نکلنا چاہیے، لیکن اگر ایسا عادی ہے کہ اضطراری کیفیت ہو جاتی ہے تو اس کے لیے نکلنا انسانی حاجت میں ہو جائے گا اور اس کے لیے نکلنے سے اعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔ (رجمیہ: ۲۰۲/۵)

علاج و معالجہ کی ضرورت ہو تو معتکف کے لیے باہر نکلنا جائز ہے، گناہ نہیں ہوگا، لیکن اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ (ہندیہ: ۱۲۱/۱)

بیڑی وغیرہ کا عادی شخص استنجاء وغیرہ کے لیے باہر نکلنے کے وقت ضرورت پوری کر سکتا ہے، خاص اسی کے لیے باہر نہیں نکلنا چاہیے، لیکن اگر ایسا عادی ہے کہ اضطراری کیفیت ہو جاتی ہے تو اس کے لیے نکلنا انسانی حاجت میں ہو جائے گا اور اس کے لیے نکلنے سے اعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔ (رجمیہ: ۲۰۲/۵)

جس طرح مرد کا اعتکاف مسجد سے نکلنے سے فاسد ہو جاتا ہے، اسی طرح عورت اگر اعتکاف کی مخصوص جگہ چھوڑ کر آنگن میں طبعی ضروریات کے بغیر نکل آئے تو اس کا اعتکاف بھی فاسد ہو جائے گا۔ (ہندیہ: ۲۱۲/۱)

حالت اعتکاف میں اللہ جتنی توفیق دے عبادت میں مشغول رہے، جس میں تلاوت ذکر و اذکار اور نوافل وغیرہ کا پڑھنا سب شامل ہے، لوگوں سے بات چیت بھی کر سکتا ہے، بلکہ عبادت سمجھ کر خاموش رہنا مکروہ ہے، لیکن فضول باتوں سے بچنا چاہیے، ضروری باتیں موبائل پر بھی کرنا جائز ہے۔ (شامی: ۱۴۷/۲، ہندیہ: ۲۱۳/۱)

کرے تو معتبر ہوگا۔ (ہندیہ: ۲۱۱/۱)

مسجد سے باہر نکلنا کب جائز ہے؟

آنحضرت ﷺ حالت اعتکاف میں صرف بہت ضروری امور کے لیے مسجد سے باہر نکلا کرتے تھے، چنانچہ بخاری و مسلم کی ایک روایت میں حضرت عائشہ فرماتی ہیں: ”وکان لا یدخل البیت الا لحاجة الانسان“ (آنحضرت ﷺ صرف انسانی ضروریات استنجاء وغیرہ کے لیے گھر میں داخل ہوتے تھے۔) ابوداؤد کی ایک روایت میں حضرت عائشہ فرماتی ہیں: ”معتکف کے لیے سنت یہ ہے کہ نہ کسی مریض کی عیادت کرے نہ جنازہ میں جائے، نہ بیوی کو شہوت سے چھوئے نہ اس سے جماع کرے اور صرف ایسی ضروریات ہی کے لیے نکلے جن کے بغیر چارہ کار نہیں ہے۔“

فقہاء نے ان احادیث کی روشنی میں مندرجہ ذیل ضروریات اور اعذار کی بنیاد پر مسجد سے نکلنے کو جائز قرار دیا ہے، اگر اس طرح کی ضرورت کے بغیر مسجد سے باہر نکلے گا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا:

استنجاء کے لیے نکلنا: چھوٹے اور بڑے استنجاء کے لیے مسجد سے باہر نکلنا جائز ہے، اس ضرورت کو گھر جا کر بھی پورا کر سکتا ہے، آتے جاتے سلام بھی کر سکتا ہے، لیکن اگر ٹھہر کر بات کی تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ (ہندیہ: ۲۱۲/۱، شامی: ۱۴۳/۲)

کھانے کے لیے نکلنا: اگر کوئی کھانا لانے والا نہ ہو تو خود جا کر کھانا لا سکتا ہے، اس لیے کہ لانے والا موجود نہ ہو تو یہ بھی حوائج ضروریہ میں داخل ہے۔ (طحطاوی علی المراتی: ۳۸۴)

غسل واجب کے لیے نکلنا: اگر احتلام ہو گیا ہو تو غسل کے لیے باہر نکلنا جائز ہے، لیکن جمعہ کے دن غسل کرنے کے لیے، اسی طرح گرمی کے موسم میں ٹھنڈک حاصل کرنے کے مقصد سے غسل کرنے کے لیے نکلنے کو عام طور سے فقہاء منع کرتے ہیں، لہذا اگر ان امور کے لیے غسل کرنا ہو تو مسجد کے کسی کنارہ میں غسل کر لے جہاں پانی کی نکاسی ہو جاتی ہو اور غسل کے بعد اس پر پانی بہا دے یا کسی ٹب وغیرہ میں غسل کر لے۔ (شامی: ۱۴۳/۲)

حالت اضطرار میں نکلنا: اگر مسجد منہدم ہونے



زکوٰۃ - چند ضروری احکام و مسائل



﴿يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ﴾ (البقرة: ۲۷۶)
”اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے“

وجوب زکوٰۃ کی شرائط

یہ بھی واضح رہے کہ زکوٰۃ نہ ہر شخص پر فرض ہوتی ہے نہ ہر مال پر، بلکہ اس کے وجوب کے لیے اس شخص کا عاقل بالغ ہونا، صاحبِ نصاب ہونا، مال پر سال گزرنا، اس مال کا دین یعنی قرض سے خالی ہونا، اسی طرح اس کا حاجتِ اصلیہ سے خالی ہونا شرط ہے، ایک بھی شرط نہ پائی جائے تو زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی۔

اموال زکوٰۃ

جن چیزوں پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، بنیادی طور پر وہ چار ہیں (۱) جانور، (۲) سونا، (۳) چاندی (روپے بھی سونا چاندی ہی کے حکم میں شمار ہوتے ہیں)، (۴) مال تجارت۔

سونے چاندی کا نصاب

چاندی کا نصاب دو سو درہم جبکہ سونے کا نصاب بیس مثقال ہے، علماء ہند کی تحقیق کے مطابق چاندی کے دو سو درہم یعنی ساڑھے باون تولہ (۶۱۲.۳۶۰ گرام) اور سونے کے ۲۰ مثقال یعنی ساڑھے سات تولہ (۸۷.۲۸۰ گرام) کے بقدر ہوتے ہیں، جہاں تک نقدی اور تجارتی سامان کا تعلق ہے تو ان کی ملکیت کا اندازہ بھی چاندی کے نصاب سے کیا جائے گا، یعنی اگر کسی کے پاس چاندی کے نصاب کے بقدر نقد رقم یا تجارتی سامان ہے تو وہ شرعاً صاحبِ نصاب ہے۔

پھر یہ بھی ذہن میں رہے کہ سونا چاندی چاہے استعمالی ہو یا غیر استعمالی، زیور کی شکل میں ہو، چاہے سکوں یا ظروف وغیرہ کی شکل میں اگر وہ نصاب کے بقدر ہے اور اس پر سال گزر جاتا ہے تو اس کی زکوٰۃ بہر حال واجب ہو جائے گی، یہی حکم نقد رقم کا بھی ہے، لیکن بقیہ دوسرے اموال یعنی عروض میں یہ بھی شرط ہے کہ وہ تجارت کے غرض سے ہوں، ورنہ ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

زکوٰۃ اسلام کا ایک اہم رکن ہے، قرآن پاک میں جگہ جگہ نماز کے ساتھ زکوٰۃ ادا کرنے کی بھی تاکید کی گئی ہے، ”آپ ﷺ نے اس کا شمار اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں فرمایا ہے۔“

صاحبِ نصاب ہونے کے باوجود زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کو قرآن پاک میں جو سخت ترین وعید سنائی گئی ہے اس سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ..... فَذُقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ﴾ (التوبة: ۳۴-۳۵)

”جو لوگ اپنے پاس سونے چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے تو (اے نبی ﷺ) آپ ان کو درد ناک عذاب کی خوش خبری سنا دیجیے، یہ درد ناک عذاب اس دن ہوگا جس دن اس سونے اور چاندی کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس کے ذریعہ ان کی پیشانی، ان کے پہلو اور ان کی پشت کو داغا جائے گا (اور ان سے کہا جائے گا) یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا، تو آج تم اس خزانہ کا مزہ چکھو جو تم اپنے لیے جمع کر رہے تھے۔“

لہذا ہر صاحبِ نصاب مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ پورا پورا حساب کر کے زکوٰۃ کی ادائیگی کرے، بہت سے لوگ علی الحساب کچھ رقم یا دوسری چیزیں غریبوں کو دے کر اپنے کو بری الذمہ سمجھتے ہیں، یہ طریقہ صحیح نہیں ہے، پورا حساب لگا کر زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے۔

صدقات سے مال بڑھتا ہے

زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے کا ایک بڑا بلکہ بنیادی سبب یہ خیال ہوتا ہے کہ اس سے مال کی ایک بڑی مقدار ہاتھ سے نکل جائے گی، اور اس کے عوض میں کوئی چیز بھی نہیں ملے گی، لیکن قرآن مجید میں اس خیال کی تردید کی گئی ہے اور اس کا پورا اطمینان دلا گیا ہے کہ اللہ کے راستے میں مال خرچ کرنے سے گھٹتا نہیں ہے، بلکہ اس میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:



چاہیے کہ اس کے کتنے اثاثے جامد ہیں یعنی بلڈنگ اور مشینری وغیرہ کی شکل میں اور کتنے اثاثے نقد خام اور تیار مال کی شکل میں ہیں، جتنے اثاثے جامد ہوں ان پر زکوٰۃ نہیں ہوگی، اور جتنے اثاثے نقد یا خام اور تیار مال کی شکل میں ہوں ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اگر کمپنی کے اثاثوں کی تفصیلات نہ مل سکیں تو اس صورت میں احتیاطاً پوری قیمت کی زکوٰۃ ادا کر دیجائے۔

اور اگر شیئرز اس مقصد سے خریدے ہیں کہ جب بازار میں ان کی قیمت بڑھ جائے گی تو ان کو فروخت کر کے نفع کمائیں گے تو اس صورت میں پورے شیئرز کی پوری بازاری قیمت پر زکوٰۃ واجب ہوگی، مثلاً آپ نے پچاس روپے کے حساب سے شیئرز خریدے اور مقصد یہ تھا کہ جب ان کی قیمت بڑھ جائے گی تو ان کو فروخت کر کے نفع حاصل کریں گے اس کے بعد جس دن آپ نے زکوٰۃ کا حساب نکالا، اس دن شیئرز کی قیمت ساٹھ روپے ہوگئی تو اب ساٹھ روپے کے حساب سے ان شیئرز کی مالیت نکالی جائے گی اور اس پر ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

پراویڈینٹ فنڈ میں زکوٰۃ

زکوٰۃ فرض ہونے کی ایک اہم شرط یہ بھی ہے کہ اس پر انسان کا مکمل قبضہ بھی ہو، اسی وجہ سے فقہاء نے فرمایا ہے کہ اگر کسی کو قرض دیا اور بعد میں قرضہ لینے والا اس سے انکار کر رہا ہے، بظاہر اس کا واپس ملنا دشوار ہے یا کسی جگہ گاڑ کر بھول گیا، یا کسی دریا وغیرہ میں گر گیا تو ان روپیوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، پھر جب غیر متوقع طور پر یہ مال مل جائے تو گزرے ہوئے سالوں کی زکوٰۃ اس پر واجب نہیں ہوگی، یہ رقم جس وقت ملی ہے اس وقت سے اس کا حساب لگایا جائے گا۔ (ہدایہ: ۱/۱۸۷)

جہاں تک پراویڈینٹ فنڈ کا تعلق ہے تو اس میں ایک حصہ وہ ہوتا ہے جو حکومت اس میں ملا کر دیتی ہے، جہاں تک اس دوسری اضافی رقم کا تعلق ہے تو خواہ اس کو انعام کہا جائے یا اجرت ملازم اس کا بھی مالک نہیں ہوتا ہے، لہذا اس پر گزرے ہوئے دنوں کی زکوٰۃ واجب ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے، قابل بحث صرف فنڈ کا وہ حصہ ہے جو ملازمت کے درمیان تنخواہ سے کٹ کر جمع ہوتا ہے، اس کا معاملہ بھی یہ ہے کہ ملازمین کو اگرچہ اس پر ملکیت حاصل ہوتی ہے، لیکن اس پر

حولانِ حول کا مطلب

فرضیت زکوٰۃ کی ایک شرط یہ بھی بتائی گئی کہ اس پر سال گزر جائے، ورنہ زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی، لیکن اس میں ایک ضروری بات یہ پیش نظر رہنی چاہیے کہ اگر کسی کے پاس نصاب کے بقدر مال زکوٰۃ ہے تو اگر درمیان سال میں اس مال میں اضافہ ہوتا ہے تو اس مال زائد کا حساب پہلے سے موجود مال کی تاریخ سے کیا جائے گا، جب بقیہ مال پر سال گزر جائے تو اس کی زکوٰۃ کے ساتھ اس زائد مال کی بھی زکوٰۃ نکالنا ضروری ہوگا، یہ نہیں کہ ہر اضافی مال کے لیے الگ سے سال کا حساب کیا جائے، مزید یہ کہ سال گزرنے میں انگریزی مہینوں کے بجائے قمری مہینوں کا حساب کیا جائے گا۔

کس دن کی مالیت معتبر ہوگی

اموال تجارت کے بارے میں گذر چکا ہے کہ ان میں زکوٰۃ فرض ہے، مثلاً اگر کسی کی دکان ہے یا کوئی کاروبار ہے، تو سال گزرنے کے بعد اس کے پاس جو کچھ نقدی یا سامان ہے اس کی زکوٰۃ اس پر فرض ہے، اور سامان کی ملکیت لگاتے وقت ان کی اس دن کی مالیت کا اعتبار کیا جائے گا جس دن وہ ان کی زکوٰۃ ادا کر رہا ہے۔

حاجتِ اصلیه کا مطلب

جو چیز اصلی ضرورتوں کے لیے ہو اس میں زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی، اصلی ضرورت کی مثال میں فقہاء نے رہنے کے مکان، پہننے کے کپڑے، سواری کے جانور اور گاڑی، زراعت یا فیکٹری کے آلات اور مشینری وغیرہ نیز گھر کے فرنیچر وغیرہ چاہے یہ اشیاء کئی ہوں اور ان کو کرایہ پر اٹھاتا ہو تب بھی ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی ہے۔

زکوٰۃ کی مقدار

زکوٰۃ کی مقدار واجب کسی بھی مال میں اس کا چالیسواں حصہ یا ڈھائی فیصد مقرر کی گئی ہے۔

شیئرز پر زکوٰۃ

زکوٰۃ ہر طرح کے تجارتی سامان پر واجب ہے، خواہ وہ مویشیوں کی تجارت ہو یا گاڑیوں کی یا زمین کی، اور چونکہ شیئرز بھی سامان تجارت میں داخل ہیں لہذا ان پر بھی زکوٰۃ فرض ہے، اگر کسی نے شیئرز اس مقصد سے خریدے ہیں کہ ان پر سالانہ منافع حاصل کرے گا ان کو فروخت نہیں کریگا تو اس کو اپنی کمپنی سے تحقیق کرنی



صاحب کے قول ہی پر ہے، جبکہ صاحبین کے نزدیک دونوں کو اجزاء کے اعتبار سے ملایا جائے گا، یعنی وزن کے اعتبار سے اگر آدھا نصاب سونے کا آدھا چاندی کا، یا دو تہائی سونے کا اور ایک تہائی چاندی کا یا ایک چوتھائی سونے کا اور تین چوتھائی چاندی کا پایا جا رہا ہو تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی ورنہ نہیں۔

امام صاحب کے مفتی بہ قول کے مطابق اگر سونے چاندی کی معمولی مقدار بھی کسی کے پاس ہو تو وہ صاحب نصاب بن جائے گا، اور اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز نہیں رہے گا، حالانکہ اتنی معمولی مقدار بالکل معمولی لوگوں کے پاس بھی عام طور سے رہتی ہے، اس تناظر میں یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ کیا موجودہ حالات میں صاحبین کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے؟ اس لیے کہ صاحبین کا قول اختیار کر لیا جائے تو اس میں زکوٰۃ دینے والے اور لینے والے دونوں کا خیال ہو جائے گا اور توازن قائم رہے گا۔

راقم کے خیال میں ایسا کرنے کی گنجائش ہے، اس لیے کہ اس مسئلہ کا تعلق حالات کے بدلنے سے ہے، اور یہ بات متفقہ ہے کہ حالات بدل جائیں تو حکم بدل جاتا ہے، پھر یہ تو افتاء کے اصول میں بھی لکھا ہوا ہے کہ اختلاف اگر صاحبین اور امام صاحب کے درمیان ہو تو مجتہد مفتی ان میں سے کسی پر بھی فتویٰ دے سکتا ہے (لہذا اجتماعی اجتہاد کے اس دور میں علماء کا اتفاق ہو جائے تو اس کی گنجائش ہوگی) پھر امام صاحب کی ایک روایت صاحبین کے قول کے مطابق بھی ہے، لہذا امام صاحب کے اس قول کو استجاب پر محمول کر کے تطبیق دی جاسکتی ہے، چنانچہ مفتی کفایت اللہ صاحب نے کفایت المفتی میں اسی طرح تطبیق دی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ سامان تجارت والے مسئلہ میں مفتی بہ حکم سے ہٹنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، جبکہ دوسرے مسئلہ میں اگر علماء اتفاق کر لیں تو اس کی گنجائش ہے۔

زکوٰۃ کے مستحقین

زکوٰۃ کی حیثیت چونکہ محض عام انفاق اور انسانی مدد کی نہیں ہے بلکہ یہ ایک اہم اسلامی عبادت اور شرعی فریضہ ہے، اس لیے شریعت نے اس کے مصارف اور مدات خرچ خود متعین کر دئے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قبضہ حاصل نہیں ہے لہذا اس رقم پر بھی گزرے ہوئے دنوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، علماء محققین کا رجحان اسی طرف ہے۔

قرض کا ادا کرنا

اگر کوئی شخص مالکِ نصاب ہے، لیکن ساتھ ہی وہ مقروض بھی ہے تو قرض کے بقدر مال پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، اگر قرض کے بقدر منہا کرنے کے بعد بھی نصاب کے بقدر مال باقی بچ رہا ہے تو اس پر اسی کے بقدر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔

سونے اور چاندی کو ضم کرنا

اگر کسی کے پاس ساڑھے سات تولہ (۶۱۲/۴۸۰ گرام) سونانا ہو، لیکن اس کے پاس کچھ سونا اور کچھ چاندی موجود ہو تو کیا اس کے اوپر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی؟ اس مسئلہ میں دو آراء ہیں:

۱- امام شافعیؒ اور بعض دوسرے حضرات کے نزدیک اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، اپنی معرکہ الآراء تصنیف ”الأم“ میں اس پر امام شافعیؒ نے یہ استدلال کیا ہے کہ اس کے پاس نہ سونے کا نصاب ہے نہ چاندی کا تو اس پر زکوٰۃ کیسے واجب ہو سکتی ہے جبکہ دونوں الگ الگ جنس ہیں۔

۲- دوسری رائے احناف اور بعض دوسرے حضرات کی ہے کہ اگر دونوں کے ملانے سے نصاب پورا ہو جائے تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی، اس پر استدلال بکیر ابن عبداللہ الشح کے اثر سے ہے کہ زکوٰۃ نکالنے میں صحابہ کا طریقہ چاندی اور سونے کے ملانے کا تھا، پھر دونوں باعتبار ثمنیت ایک ہی جنس ہیں۔

بہر حال عقلی دلائل دونوں طرف سے مضبوط ہیں لیکن نقلی دلیل میں اس اعتبار سے فریق اول کا موقف کچھ مضبوط قرار دیا جاتا ہے کہ حضرت بکیر کی روایت حدیث کی کتاب میں نہیں ملتی ہے، پھر امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین کے درمیان یہ اختلاف ہے کہ سونے اور چاندی کو ملانے کی کیفیت کیا ہوگی؟

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دونوں کو قیمت کے اعتبار سے ملایا جائے گا یعنی اگر کسی کے پاس دو تولہ سونا اور دو تولہ چاندی ہے تو یہ دیکھا جائے گا کہ دو تولہ سونا اگر بیچ دیا جائے تو کیا ساڑھے باون تولہ یا اس سے زیادہ چاندی حاصل ہو جائے گی، اگر اتنی مقدار میں چاندی حاصل ہو سکتی ہو تو وہ صاحب نصاب مانا جائے گا، فتویٰ امام



چنانچہ شوہر بیوی کو اور بیوی شوہر کو زکوٰۃ ادا نہیں کر سکتی، ان دو رشتوں کے علاوہ تمام رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، جیسے: بھائی، بہن، چچا، پھوپھی اور خالہ وغیرہ، لیکن شرط یہ ہے کہ جس کو زکوٰۃ دی جا رہی ہے وہ زکوٰۃ کا مستحق ہو، یہ بھی خیال رہے کہ اپنے اقارب کو اگر یہ بتا کر زکوٰۃ دی جائے کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ عار محسوس کریں، اسی لیے شریعت نے یہ سہولت دی ہے کہ زکوٰۃ دیتے وقت اس کا زکوٰۃ ظاہر کرنا ضروری نہیں ہے۔

مستحق ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ضروری شرط یہ کہ مستحق مسلمان ہو چنانچہ غیر مسلم مستحق کو زکوٰۃ کی رقم دینا درست نہیں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”زکوٰۃ مسلمان مالداروں سے لی جائے گی اور نادار مسلمانوں پر صرف کی جائے گی“۔ (بخاری: ۱۴۹۶)

☆ مدارس میں زکوٰۃ خرچ کرنے میں زیادہ ثواب ملے گا، ایک زکوٰۃ کا دوسرے علم کی اشاعت اور تحفظ دین کا۔ (ہندیہ: ۱۸۷/۱)

☆ اسی طرح قریبی رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینے میں دہرا ثواب ہے، ایک زکوٰۃ کا دوسرے صلہ رحمی اور قرابت داری کا۔ مثلاً بھائی، بہن، چچا، پھوپھی، ماموں، بھانجے وغیرہ کو زکوٰۃ دینا شرعاً درست ہے بلکہ افضل ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

”مسکین کو دینے میں ایک صدقہ کا ثواب ہے اور رشتہ داروں کو دینے میں دو صدقہ کا ثواب ہے، ایک صدقہ کا دوسرے صلہ رحمی کا۔“

☆ رمضان المبارک میں چونکہ ہر عبادت کا ثواب ستر گنا بڑھ جاتا ہے، اس لیے رمضان میں زکوٰۃ دینے میں انشاء اللہ ستر گنا ثواب ملنے کی امید ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ساری زکوٰۃ رمضان ہی میں نکال دی جائے اور غیر رمضان میں فقراء کی ضرورتوں کا خیال نہ رکھا جائے، بلکہ حسب ضرورت و مصلحت خرچ کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ (بیہقی فی شعب الایمان: ۳/۳۰۵)

☆ ایک فقیر کو بیک وقت اتنا دینا کہ وہ مالک نصاب ہو جائے بہتر نہیں ہے، البتہ اگر وہ مقروض ہو اور قرض کی ادائیگی کے لیے اس کو بڑی رقم دی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ (ہندیہ: ۱/۱۸۸)

☆ مقروض شخص کو قرض سے بری کرنے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، البتہ اگر فقیر نے مقروض کو زکوٰۃ کی رقم دی پھر اس سے اپنا قرض وصول کر لیا تو یہ درست ہے۔ (طحاوی: ۳۹۰)

﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأَبْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ (التوبہ: ۶۰)

”زکوٰۃ فقراء، مساکین، عاملین (زکوٰۃ کی جمع و تقسیم کے کارکنان) مولفۃ القلوب، غلام، مقروض، اللہ کیراستہ میں (جہاد کرنے والے) اور مسافروں کے لیے، یہ اللہ کی طرف سے مقرر کیا ہوا فریضہ ہے اور اللہ بڑا علم والا اور بڑی حکمت والا ہے۔“

زکوٰۃ کے مصارف قرآن مجید کی اوپر ذکر کردہ آیت میں تفصیل سے بیان کی گئی ہیں، اس کے متعلق خلاصہ کلام یہ ہے کہ زکوٰۃ صرف انہیں لوگوں کو دی جاسکتی ہے جو فقیر یا مسکین ہوں یعنی جن کے پاس یا تو مال ہی نہ ہو یا اگر ہو تو نصاب تک نہ پہنچتا ہو، یہاں تک کہ اگر ان کی ملکیت میں ضرورت سے زائد ایسا سامان موجود ہے جو ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت تک پہنچ جاتا ہے تو وہ مستحق زکوٰۃ نہیں ہے، مستحق زکوٰۃ وہ ہے جس کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی کی ملکیت کی رقم یا اتنی مالیت کا کوئی سامان ضرورت سے زائد نہ ہو، اس میں بھی شریعت کا حکم یہ ہے کہ مستحق کو مالک بنا دیا جائے، وہ جس طرح چاہے اس میں تصرف کرے، اسی لیے بلڈنگ کی تعمیر میں زکوٰۃ نہیں لگ سکتی، نہ ہی کسی ادارے کے ملازمین کی تنخواہ میں لگ سکتی ہے، اسی طرح تجھیز و تکفین کی ضروریات میں بھی زکوٰۃ کی رقم لگانا درست نہیں ہے۔

زکوٰۃ ادا کرنے والے کو چاہیے کہ اچھی طرح تحقیق کر کے صحیح مصرف میں لگانے کی کوشش کرے، افضل یہ ہے کہ سب سے پہلے اپنے عزیز واقارب اور پڑوسی میں مستحقین کی تلاش کرے، رشتہ داروں میں زکوٰۃ ادا کرنے سے ڈبل ثواب ملتا ہے، ایک تو زکوٰۃ ادا کرنے کا دوسرے صلہ رحمی کرنے کا، البتہ دور شتے ایسے ہیں جن میں زکوٰۃ کی ادائیگی کرنا درست نہیں ہے، ایک ولادت کا رشتہ ہے جس کے تحت تمام اصول و فروع آتے ہیں، چنانچہ اپنے باپ، دادا، نانا، نانی، دادی اور ان سے اوپر والوں کو زکوٰۃ ادا کرنا درست نہیں ہے، اسی طرح بیٹے، پوتے، بیٹی، پوتی، نواسہ، نواسی اور ان سے نیچے والوں پر زکوٰۃ ادا کرنا درست نہیں ہے، دوسرا نکاح کا رشتہ ہے

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

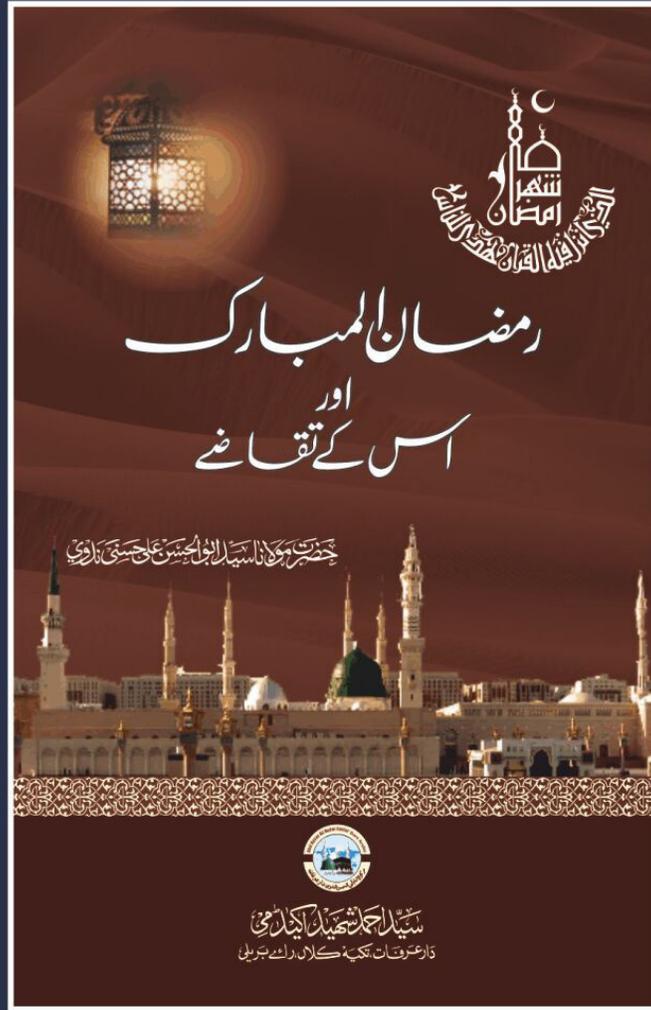
Volume: 16



Mar-Apr 2024



Issue: 03-04



Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi

MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI

E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9792646858

Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.

Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)